ڈاکٹر ذوالفقار علی دانش*

مشائخ سندھ کے ملفوظات تجزیہ اور افادی پہلو

Abstract: *Saying of spiritual guidance are primitive, important and effective form of Monastic Literature. In it prelate's social talks and related subtle, light, full of wisdom and reformative points are preserved in book shape so that disciples and common men's training and rectification can be done. In remote past this shape of Saying was prevalent. In the current age collection of short but witty sentences or events at a one place from the written books of prelate or any saint and intellectuals is also included in Sayings. Beside this any collection of quotations, pledges selected by the prelate from his elder's books is also called Sayings*

.In the under discussion treatise spiritual sayings of Patriarchs Sindh are analysed from research and utility points of view. Social, ethical and training aspects are also narrated. Moreover stimulants and manner of these sayings are also brought under discussion in this article. In the present disperse and agitated society study of these sayings can bring positive change in man's individual personality and also in collective conditions of society.

صوفیانہ ادب کی ایک اہم صنف ملفوظات ہے۔ خانقاہی ادب کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ماضی میں تصوّف پر موجود لٹریچر کی تین اہم اصناف مِلتی ہیں۔ (۱) ملفوظات (صوفیا کی غیر رسمی گفتگو) (۲) تذکرہ جات (احوالِ صوفیا اور ان کی تعلیمات) (۳) مکتوبات (صوفیا کے خطوط)۔ ملفوظات ملفوظ کی جمع ہے۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) میں اس کے معنی درج ذیل بیان کیے ہیں۔

(قواعد) جو لفظوں میں ادا ہو، جو پڑھنے میں آئے، جو پڑھا جائے، الفاظ میں ادا شدہ۔

وہ کتاب جس میں کسی بزرگ کے حالات، ان کی زبانی لکھے گئے ہوں، بزرگوں کا کلام ملفوظات: کسی بزرگ کے ارشادات، اولیا اللہ یا دوسرے بزرگوں کا کلامِ نثر کتابی صورت میں ہو۔ (۱)

"جامع اللغات" میں ملفوظات کے یہ معنی دیے ہیں۔

"بزرگوں کا کلام، بزرگوں کے مقالے، کتاب جس میں کسی بزرگ کی کیفیت اس کی اپنی زبانی لکھی ہو۔" (۲)

* اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ پریمئر ڈگری کالج نارتھ ناظم آباد، بلاک ایچ، کراچی۔

"کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں لکھا ہے:

"ملفوظات کے لغوی معنی ہیں، زبان سے نکلی ہوئی باتیں۔ علم و عرفان میں نمایاں حیثیت رکھنے والے کسی شخص کے مجلسی فرمودات اور اخبار واحوال جو کسی عقیدت مند نے حاضرِ خدمت رہ کر ایک سامع اور شاہد کی حیثیت سے قلم بند کیے ہوں۔ ملفوظات کہلاتے ہیں۔" (۳)

اصطلاحِ تصوّف پر "سرِ دلبراں" جیسی معرکہ آرا کتاب تحریر کرنے والے شاہ سید محمد ذوقیؒ ملفوظات کی تعریف میں فرماتے ہیں :

"ملفوظات اُس نصیحت آمیز تعلیمی گفتگو کو کہتے ہیں، جو شیخ وقتاً فوقتاً اپنے مریدین ومعتقدین کی جماعت میں اُن کی اصلاح و ترقّیٔ حال کی غرض سے کرتا ہے، یہ تقریریں محض تقریریں ہی نہیں ہوتیں بلکہ شیخ کے مکمل احوال و مواجید کی ملفوظی صورتیں ہوتی ہیں، جن میں لسان قال اور لسان حال کی باہمی ترکیب وامتزاج سے وہ موہنی پیدا ہوتی ہے، جو سامعین پر برقی اثر اور صاحب استعداد مریدین میں حال پیدا کر دیتی ہے۔" (۴)

مذکورہ معنوں اور تعریفوں میں مشترک پہلو بزرگوں کا کلام ہے۔ اِس کلام میں بعض بزرگوں کے حالاتِ زندگی بھی بیان کر دیے جاتے ہیں۔ دوسری خصوصیت اُن کا نثر میں ہونا، تیسری بات کتابی صورت میں ہونا۔ یعنی ملفوظات بزرگوں کی وہ گفتگو ہے، جسے نثری کتاب میں پیش کیا جائے۔ ملفوظات دراصل صوفیا کی غیر رسمی گفتگو ہوتی ہے جو کسی بھی مقام اور وقت پر ہو سکتی ہے۔ عموماً یہ مریدین اور معتقدین کے سامنے اور اُن کی اصلاح کے لیے ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ یہ مریدین کے سوالات کے مختصر، پُر اثر اور پُر مغز جوابات ہوتے ہیں۔ اِسی طرح مختلف مجلسوں میں جو شیخ کی زبان سے کلمے ادا ہوتے تھے، تو باسعادت مریدانِ باصفا انھیں قلم بند کر لیتے اور مرتّب کر کے شائع کر دیتے ہیں۔ ملفوظات کی خاص بات یہی ہے کہ صاحبِ ملفوظ خود تحریر نہیں فرماتا، بر عکس اُس معنی کہ جو صاحب "جامع اللّغات" نے تحریر کیے ہیں، ۔ ملفوظات کی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جو صاحبِ ملفوظ نے خود تحریر کی ہو۔

صوفیانہ ادب میں ملفوظات کے کسی حد مترادف کے طور پر "لطیفہ" کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی رہی ہے، بقول پروفیسر ریاض الاسلام

"لطائف وہ باتیں ہیں، جو صوفیہ کے ملفوظات میں یا ان کے تذکروں میں یا اصول تصوّف کی کتابوں میں بطورِ سوانح ، شخصی واردات یا بطورِ قصّہ بیان کی گئی

ہیں، جہاں گفتگو یا بیان غیر شخصی رنگ اختیار کر لیتا ہے اور پیرایۂ بیان خالص علمی ہو جاتا ہے تو پھر بات "لطیفہ" کی حدود سے باہر نکل جاتی ہے۔"(۵)

مندرجہ بالا بیان میں آخری پہلو ملفوظات کی مکمل ترجمانی کرتا ہے۔ لطائف، لطیفہ کی جمع ہے۔ جس کے عربی میں معنی وہ "نکتہ جس سے انبساط پیدا ہو۔" (۶) اس طرح لطیفہ لطیف کا مؤنث ہے۔ جس کے معنی باریک، نرم، پاکیزہ، مہربان وغیرہ ہیں۔(۷) لطائف کے مشتق میں بھی ملفوظات کے معنی پنہاں ہیں۔ ملفوظات کی زبان نرم، شگفتہ اور مضامین لطیف نکات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جن کو سُن یا پڑھ کر طبیعت میں انبساط پیدا ہوتا ہے۔

دورِ جدید میں یہ ضرور ہوا ہے کہ مرید ملفوظات جمع کر کے مرشد کو دکھا دیتے ہیں۔ یوں اُن کی سند اور معتبر ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ کار مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بھی رہا۔ مفتی محمد شفیع نے "مجالس حکیم الامت" میں لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے بعد کچھ خلفا کو بھی ملفوظات دیکھنے کا اختیار دیا تھا۔ کیوں کہ ماضی میں جمع کیے گئے ملفوظات میں ایسے واقعات بھی بیان ہوگئے ہیں جو تحقیقی معیار پر پورے نہیں اُترتے۔ نثار احمد فاروقی نے اپنی کتاب "نقدِ ملفوظات" اور پروفیسر ریاض الاسلام نے اپنے مضمون "صوفیانہ ادب کے لیے ایک منہاج تحقیق کی ضرورت" میں اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔

ملفوظات کا بنیادی اور اہم مقصد اصلاح ہے۔ بالعموم یہ ایک غیر رسمی عمل ہے، اِس لیے ملفوظات کو مرتب کرنے کا اوّلین پہلو تو قرآن کا حکم " وَأْمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ "(۸) ہے۔ اسلامی تاریخ میں اولاً ملفوظات جو ملتے ہیں، حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں فرمائی، وہ مختصر الفاظ میں جامع، واضح اور حکمت سے پُر ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

(۱) اے بیٹا! اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔

(۲) اے میرے بیٹے نماز کو قائم رکھ اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کام سے منع کیا کر،(۹)

قرآن کے بعد احادیث کی صورت میں آپ ﷺ کے اقوال محفوظ کیے گئے۔ بعد ازاں صحابہ کرامؓ کے اقوالِ زریں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ پھر صوفیائے کرام کی گفتگو ہے۔ جہاں تک ملفوظات کے موضوعات کا تعلق ہے تو ان میں ادب واخلاق، محبت و اطاعت، عبادت وریاضت، اسرار وحکم، ماحول اور صحبت، سلوک وتصوّف، اصلاح و تزکیہ، ذکر وفکر، صبر وشکر، خلوص وللّٰہیت وغیرہ شامل ہیں۔ صوفیانہ ادب اور اس کی تاریخ میں ملفوظات کی اہمیت مسلّم ہے۔ مشائخ اِن ملفوظات کے ذریعے اپنے مریدین کی اصلاح وتربیت فرماتے رہے ہیں۔ ملفوظات سے زندگی کے بہت سے پہلوؤں کے بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔ ملفوظات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ نظام الدین اولیاؒ نے حضرت امیر خسروؒ کو نصیحت فرمائی تھی کہ "مشائخ کے ملفوظات کا اکثر مطالعہ کیا کرو۔" (۱۰) اردو زبان کی ابتدا کے بارے میں کئی شواہد بھی ملفوظات میں ملتے ہیں۔

برصغیر کے سلسلۂ چشتیہ میں ملفوظات کی روایت شروع ہی سے چلی آرہی ہے۔خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات کو "انیس الارواح" کے نام سے مرتب فرمائے۔ پھر خواجہ غریب نوازؒ کے ملفوظات کو "دلیل العارفین" کے نام سے خواجہ بختیار کاکیؒ نے، پھر خواجہ بختیار کاکیؒ کے ملفوظات "فوائد السالکین" کے نام سے خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے، پھر بابا فریدؒ کے دو ملفوظات "اسرار الاولیا" اور "راحت القلوب" کے نام سے شیخ بدرالدین اسحاق اور خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی نے جمع فرمائے۔ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات، امیر حسن علا سجزی نے "فوائد الفواد"، خواجہ سعید محمد امام نے "انوارالمجالس"، علی بن محمود جاندار نے "دُرِ نظامی"، عبدالعزیز بن ابی بکر مصلی بردار نے "مجموع الفوائد" کے نام سے مرتب کیے۔ حمید قلندرؒ نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے ملفوظات "خیر المجالس"، نظام حاجی غریب نے چشتیہ نظامیہ کے بزرگ سید اشرف جہان گیر سمنانیؒ کے ملفوظات "لطائف اشرفی" کے نام سے جمع کیے۔ان کے علاوہ خواجہ حماد کاشانیؒ نے برہان الدین غریب کے ملفوظات "احسن الاقوال" کے نام سے مرتب کیے۔بقول عبدالماجد دریا آبادی "شمع سے شمع اسی طرح روشن ہوتی رہی اور صدیوں تک چراغ سے چراغ جلتا رہا۔" (۱۱)

سلسلہ سہروردیہ میں جلال الدین بخاریؒ نے بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے ملفوظات "خلاصۃ العارفین" کے نام سے مرتب فرمائے۔ نیز مخدوم جہانیاں جہاں گشت، جنھیں سہروردی سلسلے میں شیخ رکن الدین ملتانیؒ اور سلسلہ چشتیہ میں حضرت چراغِ دہلیؒ سے اجازتِ بیعت حاصل تھی۔ اُن کے ملفوظات "خزانہ جلالی"، "سراج الھدایہ" اور الدّار المنظوم" کے نام سے جمع کیے گئے۔زین بدر عربی نے شیخ یحیٰ منیریؒ کے ملفوظات "معدن المعانی"محمود بن سعید ایرجی نے شیخ احمد کھٹوؒ کے ملفوظات"تحفۃ المجالس" کے نام سے جمع کیے۔

موجودہ دور میں بھی ملفوظات کو جمع کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ماضی کی روایت کے ساتھ ایسا بھی کیا جارہا ہے کہ مشائخ کی کتب سے کچھ اہم بامعنی لطیف نکات، جن میں اختصار پایا جاتا ہے، انھیں بھی اقوال کے ضمن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔ جیسے ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب نے اقوالِ حضرت داتا گنج بخشؒ، اقوالِ حضرت نظام الدین اولیاؒ کتابی صورتوں میں شائع کیے۔خواجہ شمس الدین عظیمی کی مختلف کتابوں سے مختصر، فکر انگیز اور پُر حکمت جملے اخذ کر کے ایک کتاب "بڑے بچوں کے لیے" شائع کی گئی۔ جس پر جامع یا مرتب کا کوئی نام نہیں ہے، نہ ہی کوئی اور معلومات ہیں۔ مختصر، پُر اثر اور پُر حکمت جملے جمع کرنا، انسانی جبلت میں شامل ہے۔ وہ اقوالِ زرّیں کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اس لیے ایسے جملے مختلف زبانوں میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہوتے ہیں۔اِن کی اہمیت کے پیشِ نظر مختلف زبانوں میں تراجم بھی ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا دورِ جدید کا تقاضا ہے کہ صوفیائے کرام کے ملفوظات کو مختلف زبانوں میں تراجم کر کے شائع کیا جائے تاکہ یہ روشنی دیگر زبان شناس اور اقوام کے دلوں اور معاشروں کو منور کر سکے۔

مشائخِ سندھ کے ملفوظات کو بھی ان کے مریدین اور عقیدت مندوں نے قرطاس پر مرتسم کیا ہے۔ جس کا مطمحِ نظر عوام النّاس ،عقیدت مندوں اور مریدین کی اصلاح ہے۔ زیرِ بحث مقالے میں ان ہی ملفوظات کے محرکات، اسلوب، اہمیت، افادیت اور تجزیے کے لیے پیش کیا ہے۔

مولانا سید شاہ وارث حسن کے ملفوظات کو "شمامۃ العنبر" کے نام سے اُن کے خلیفہ "سید محمد ذوقیؒ نے جمع کیا۔ اس عمل میں اُن کے شریک کار خلیل الرحمن بہاری اور شیخ شوکت علی لکھنوی بھی رہے۔ اِن ملفوظات کو عمومی روایت کے مطابق عنوانات دے کر پیش کیا گیا ہے۔ اِس عمل سے قاری کو حسبِ ضرورت موضوع کو تلاش کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ ان ملفوظات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں بیش تر شریعت و طریقت کے اسرار و رموز کو بیان کیا گیا ہے۔ شریعت کے پہلوؤں کی جو روحانی تشریح اور وضاحت کی گئی ہے، وہ دل کو لبھانے والی ہے۔ اگر اُن پہلوؤں کو سامنے رکھ کر عبادت کی جائے تو یقیناً نہ صرف عبادت کا لطف دوبالا ہو جائے گا بلکہ مقصود بھی حاصل ہو گا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہر عنوان پر تفصیل سے گفتگو ہے۔ جس کی وجہ سے اہم نکات قاری کے ذہن میں نقش ہو جاتے ہیں اور وہ اس کے فلسفے سے آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔ ملفوظات کی پہلی شہ سرخی " اسرارِ شریعت "ہے، جس کے ذیل میں وجودِ حق، خوشامد، اخلاقِ حسنہ، روح کے اتالیق، روزہ، نماز اور اسلام وغیرہ کی بغلی سرخی دی گئی ہے۔ روح کے اتالیق میں نماز، روزہ، حج اور زکات کے فوائدِ روحانی کو اختصار سے مگر مثالوں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔

اہم مرکزی موضوعات میں تقابلِ طلبِ دنیا و طلبِ آخرت، انی جاعل فی الارض خلیفہ، شیخ و مرید، توبہ و استغفار، طلبِ حق، ریاضت و مجاہدہ، علم و عقل، فہم و ادراک، نسبت، تزکیہ و تصفیہ، منازلِ راہ، توحید، عشق، روح، موت، معاملات بعد الموت، اذکار و اشغال، کشف و کرامات اور متفرق تقریریں شامل ہیں۔ ان مرکزی عنوانات میں ذیلی سرخیاں دی گئی ہیں۔ یوں تو سب ہی موضوعات پر سیر حاصل اظہار کیا گیا ہے مگر "تقابل طلبِ دنیا و طلبِ آخرت "پر جو مثالیں بیان کی ہیں۔ وہ تاریخ کے عبرت ناک حقیقی واقعات سے اخذ کردہ ہیں، جس سے انسان کو بآسانی نصیحت اور اصلاح ملتی ہے۔ ملفوظات میں بیان کردہ ہر پہلو پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ کوئی اِشکال نہیں رہتا۔ ایک ایک نکتے کو سمجھانے کے لیے روزمرہ زندگی سے دو یا اس زائد بھی مثالیں دی گئی ہیں۔ اس انداز کے باعث عام قاری کا ذہن بھی اسے آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔ مثلاً "روح" جیسے نکتے کے لیے پہلے یہ فرمایا کہ اس کا علم کشفی ہے نہ کہ علم دنیوی کے؛ حتّی، اس کا اظہار اگر اسلام کے ابتدائی زمانے میں کر دیا جاتا، تب بھی سمجھ نہ آتا۔ ایک روز ایک مرید کے ہاں بجلی کا پنکھا دیکھ فرمایا کہ بجلی کے کارخانہ سے بجلی کی لہریں تار میں دوڑ رہی ہیں۔ جس سے پنکھے کا پلگ منسلک کرتے ہی پنکھا چلنے لگ جاتا ہے اور پلگ ہٹاتے ہی بند ہو جاتا ہے۔ یہی حال روحِ انسانی کا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی توجہ اس عالم میں انسان کے ساتھ منسلک ہے، روح بھی بدنِ انسانی میں موجود ہے، وہ سب کچھ کرتا ہے، جیسے ہی توّجہ ختم، روح بھی نکل جاتی ہے۔ جسم میں کچھ نہیں بچتا۔(۱۲) اسی طرح فرمایا کہ ہر مرض انسان کو ضعیف کرتا ہے اور اگر

مسلسل رہے تو مریض کو ہلاک بھی کر دیتا ہے، مگر مرضِ جنون، جس میں قواعدِ صحت کا خیال بھی نہیں رکھا جاتا، جسم لاغر بھی ہو جاتا ہے مگر اسے پکڑنے کے لیے بیس پچیس افراد کی ضرورت پڑتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حواسِ خمسی کی تعطّلی اور خیالات کی یک سوئی سے اس کی روحانی قوّت بڑھ جاتی ہے۔ گویا روح جسم سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہے۔ پھر فرمایا بادام کے اوپر نہایت مضبوط اور سخت چھلکا ہوتا ہے جو مشکل سے ٹوٹتا ہے، اس کے نیچے نرم چھلکا پھر قشر نکلتا ہے۔ اسی طرح روح پر بھی دو غلاف ہوتے ہیں اوپر کا غلاف تو یہ جسم ہے اور نیچے کا غلاف نفس ہے جو برزخ ہے۔ جسم اور روح کے درمیان برزخ ہے۔(۱۳) ملفوظات سے بآسانی استفادے کے لیے کتاب کے آخر میں حروفِ تہجی کے مطابق موضوعات کی ایک ایک فہرست مع صفحہ نمبر دے دی گئی ہے، جس سے ”شمامۃ العنبر“ کی افادیت میں مزید اضافہ ہُوا ہے۔

ملفوظات کے محرکات تو اصلاح اور تربیتِ سالکین ہی ہیں۔ جس کا اظہار محمد حسین برے نے شہید اللہ فریدیؒ کے ان الفاظ کو ”تربیت العشاق“ کے پیش لفظ میں تحریر کیا تھا۔ ”ہم تربیت العشاق ' صرف تبلیغ کی نیت سے شائع کر رہے ہیں، کیوں کہ بزرگوں کے اقوال اور ان کی زندگیاں قرآنِ کریم اور سنت النبی ﷺ کی صحیح تفسیر ہوتی ہیں،“ اگر ایک شخص بھی یہ ملفوظات پڑھ کر متاثر ہوا اور اپنے حالات کی اصلاح کر لے تو یہ ہمارے لیے دنیا ومافیہا سے زیادہ قابلِ قدر ہو گا۔“ (۱۴) جب کہ جامع ملفوظات نے دیباچہ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ لکھتے ہیں کہ اولیا اللہ کی صحبت، حالاتِ زندگی اور اقوال وملافنظ کا مطالعے سے متاثر ہونا اصلاحِ حال اور ترقیٔ مدارج کا زینہ ہے۔ (۱۵) ملفوظات کے جو فوائد سید محمد ذوقیؒ نے بیان کیے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں :

”اولیا اللہ کا کلام بعد قرآن وحدیث کے تمام کلاموں سے بہ تر ہے۔ اس کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ کلام لوگوں سے دنیا کی الفت ترک کراتا ہے۔

(۲) اس کلام کو دیکھ کر آخرت یاد آتی ہے۔

(۳) اس سے خدا کی دوستی پیدا ہوتی ہے۔

(۴) ملفوظات کو سُن کر توشۂ آخرت جمع کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

(۵) بزرگوں کے اقوال مخنثوں کو مرد، مردوں کو شیر، شیروں کو فرد اور فردوں کو صاحبِ درد بنا دیتے ہیں۔“ (۱۶)

”شمامۃ العنبر“ کا اسلوب بہت ہی روانی لیے ہوئے ہے، اس کی وجہ ان ملافنظ میں تقریری اندازِ بیان ہے۔ پھر اس کے جامع سید محمد ذوقیؒ ہیں۔ جن کو زبان وبیان پر قدرت حاصل ہے۔ اس اسلوب کی سب سے اہم خاصیت عام زندگی سے مثالیں پیش کرنا ہے۔ شاید چند ہی تقاریر ہوں، جن میں مثالیں نہ ہوں، مگر بیش تر میں جو نکتہ بھی پیش کیا گیا ہے، اس کو سمجھانے کے لیے کم از کم ایک ورنہ دو دو تین تین مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ پھر ایک ہی موضوع پر مختلف مواقع پر کی جانے والی گفتگو کو یک جا کر دیا گیا ہے تو اس سے موضوع کی تفہیم میں تشنگی

نہیں رہتی۔ملفوظات میں قرآنی آیات یا احادیث اگرچہ کم ہی نقل کی گئی ہیں، مگر ان کا ترجمہ یا حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔اسی طرح جہاں جہاں فارسی اشعار آئے ہیں، وہ اردو ترجمے کے بغیر ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ دے دیا جاتا تو فارسی سے ناواقف لوگ بھی اس سے محظوظ ہو سکتے ہیں۔ نمونۂ نثر ملاحظہ کیجیے۔

> ”ارشاد فرمایا کہ: جسم کے پنجرے میں عالم ملکوت کی چڑیا روح بند ہے، اگرچہ چڑیا کو پنجرے سے بوجہ مقید ہونے کے اور اس کے ساتھ ایک سابقہ رکھنے کے ایک مناسبت پیدا ہو گئی ہے، مگر دراصل پنجرے کی نوعیت اور چڑیا کی نوعیت میں دیکھو کس قدر فرق ہے، بوجہ دونوں میں ایک عارضی مناسبت پیدا ہو گئی ہے، دونوں میں ایک عارضی مناسبت پیدا ہو جانے کے دونوں باہم ایک دوسرے سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔تم دیکھتے ہو کہ ایک شخص اچھا خاصا تندرست اور خوش وخرم ہوتا ہے، یک بیک اُسے کوئی رنج یا صدمہ پہنچتا ہے اور وہ گھلنے لگتا ہے۔اور دبلا ہونا شروع ہو جاتا ہے، جسمانی غذا اُسے تقویت پہنچاتی ہے نہ اس غذا کی اسے کچھ ایسی زیادہ خواہش ہوتی ہے۔حالاں کہ رنج و غم کو جسم سے کوئی تعلق نہیں، روح سے البتہ تعلق ہے۔رنج ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے روح کو تکلیف پہنچتی ہے۔روح کی تکلیف کا اثر اس کے ہم نشیں یعنی جسم پر پڑتا ہے اور جسم گھلنے لگتا ہے اسی طرح روح بھی جسم کی ہم جلیسی سے متاثر ہوتی ہے اور کاہلی، راحت طلبی اور لذّاتِ جسمانی پر دل دادگی جو جسم کی طینت میں داخل ہے، سیکھتی جاتی ہے، جسم اگر غالب رہا اور روح کو اس نے اپنے رنگ میں رنگ لیا تو روح کی وہی حالت ہوتی جو ایک شریف زادے کی لچّوں، شہدوں، بدمعاشوں اور مبتذل لوگوں کی صحبت میں ہوتی ہے اور اگر روح غالب رہی اور روح نے جسم کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تو سبحان اللہ“ (۱۷)

”شمامۃ العنبر“ کی پہلی اشاعت ۱۹۳۱ء میں پٹنہ بھارت، دوسری ۱۹۵۸ء میں بمبئی اور تیسری اور چوتھی بالترتیب ۱۹۹۰ء اور ۲۰۰۴ء میں محفلِ ذوقیہ کراچی سے ہوئی۔

”تربیت العشاق“ شاہ سید محمد ذوقیؒ کے ملفوظات اور حالاتِ زندگی کا مجموعہ ہے۔یہ تین حصّوں پر مشتمل ہے۔یہ حصّص چار کتب پر مبنی ہیں۔اِن تینوں حصّوں کے مرتبین علاحدہ علاحدہ ہیں۔پہلا حصّہ جو ملفوظاتِ ذوقی پر مشتمل ہے، اِسے شہید اللہ فریدیؒ نے ترتیب دیا ہے۔یہ صفحہ ۸۵ سے صفحہ ۱۳۲ تک ہے۔اس حصّے میں ۲۶ مجلسوں کا حال شامل ہے جو ۴، رجب ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء سے ۶، نومبر ۱۹۵۰ء تک

مختلف مقامات پر ہوئیں۔ ان ملفوظات کو عنوانات دے کر قارئین کے لیے سہولت پیدا کر دی گئی ہے۔ جس سے قاری کو ملفوظات کے مرکزی خیال تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کو مزید مفید بنانے کے لیے ان عنوانات کی فہرست اور صفحے نمبر بھی آغاز میں دے دیے گئے ہیں۔ کتاب کا بنیادی محرک اصلاح ہے۔ جس کا تذکرہ شہید اللہ فریدیؒ نے پیش لفظ میں یوں کیا ہے۔

> ''ہم 'تربیت العشاق' صرف تبلیغ کی نیّت سے شائع کر رہے ہیں، کیوں کہ بزرگوں کے اقوال اور ان کی زندگیاں قرآن کریم اور سنّت النبیؐ کی صحیح تفسیر ہوتی ہیں، اگر ایک بھی شخص یہ ملفوظات پڑھ کر متاثّر ہو اور اپنے حالات کی اصلاح کرے تو یہ ہمارے لیے دنیا ومافیہا سے زیادہ قابلِ قدر ہو گا۔''(۱۸)

ان ملفوظات میں وہ پہلو بیان کیے ہیں، جن سے زندگی گزارنے کا درست طریقہ آتا ہے۔ اِن میں روحانی معاملات کو سمجھانے کی کوشش بھی نظر آتی ہے۔ ماضی کی طرح آج بھی بہت سے افراد روحانیت کی طرف اس لیے راغب ہوتے ہیں کہ اُن کے پاس ایسی قوّت آجائے جو محیرّ العقل کام کرے، جسے کرامت کہا جاتا ہے۔ جب کہ تمام روحانی شخصیات نے کرامات کو اہمیت نہیں دی ہے۔ پہلا ملفوظ اسی حوالے سے ہے۔ ذوقی صاحبؒ نے فرمایا: ''دستِ غیب'' اور ''تسخیر'' بہت نیچے کی چیزیں ہیں۔ سالک کو ان میں الجھ کر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے، اِن کا تعلّق دنیا سے ہے اور سلوک میں دنیا طلبی روا نہیں ہے۔ جب ضرورت ہو اللہ کی طرف رجوع کر لے، جس طرح بچّے کو کانٹا چبھ جائے تو وہ ماں کی طرف لپکتا ہے اور اپنا مسئلہ حل کراتا ہے۔(۱۹) یہ ملفوظات جہاں فرد کی روحانی تربیت کا ایک اہم ذریعہ ہیں، وہیں روزمرّہ زندگی کے مسائل کا حل بھی ہیں۔ ''شیخ'' کی ضرورت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انسانی جسم کے دو حصّے ہیں۔ ایک علوی اور دوسرا سفلی۔ سر سے ناف تک علوی اور ناف سے نیچے سفلی۔ سلوک میں دونوں حصّوں کی نشو نما کی جاتی ہے مگر اس میں توازن رکھنا شیخ کا بڑا کام ہے۔ سفلی کو مغلوب رکھنا ہوتا ہے، جس طرح سوار اور گھوڑا۔ سوار کو ہمیشہ گھوڑے پر غالب رہنا ضروری ہے۔(۲۰) دنیاوی اور ظاہری عیش وعشرت کی اہمیت ہمارے معاشرے میں بہت بڑھ چکی ہے۔ جس کے سبب بہت سے لوگ احساس کم تری کا شکار ہو رہے ہیں۔ بہت سے لوگ ناجائز ذرائع سے مال و دولت کو حاصل کر رہے ہیں۔ معاشرے میں چوری ڈکیتی، لوٹ مار، امن وامان کی خراب صورتِ حال، مہنگائی، ذخیرہ اندوزی وغیرہ جیسی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ان سب کا بنیادی سبب مال و دولت، ظاہری اور دنیاوی عیش و آرام کی اشیا کا حصول ہے۔ ذوقی صاحبؒ کے ملفوظات میں حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق دنیا کی عیش و عشرت کو اللہ کی رحمت قرار نہیں دیا ہے۔ اس بات میں مزید شدت پیدا کرنے کے لیے دو بھائیوں کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ جن میں امیر بھائی غریب بھائی کو غربت کی وجہ سے چھیڑا کرتا تھا، جس پر اس غریب بھائی نے جو جواب دیا، وہ بڑا مسکت تھا۔ ''تم اس واسطے اِتراتے ہو کہ تمھیں فرعون کی وراثت ملی ہے اور مجھے حضرت موسیٰؑ کی''(۲۱)

یہ ملفوظات اصلاحی نقطۂ نظر سے جمع کیے گئے ہیں۔ اِس لیے ان کا اسلوب بیانیہ اور عام فہم ہے۔ کہیں کہیں مکالماتی انداز بھی ہے۔ اہم نکات کو سمجھانے اور بات میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ملاحظہ کیجیے۔: مشکل میں اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے مثال دی کہ جس طرح بچےّ کو کانٹا چبھ جائے تو وہ ماں کی طرف لپکتا ہے اور اپنا مسئلہ حل کراتا ہے، اسی طرح ہمیں سب سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔(۲۲) ایک موقع پر وجد کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ''جب کوئی شخص پہلی مرتبہ قلمی آم یا قلاقند کھائے تو اس کی خوشی میں وہ مسرت سے جھومتا ہے لیکن بہت دفعہ کھالینے کے بعد اسے لذّت تو محسوس ہوتی ہے مگر وجد نہیں آتا۔'' (۲۳) ان ملفوظات میں قرآنی آیات، احادیث، فارسی اور اردو اشعار کا بر محل استعمال کیا گیا ہے۔ الفاظ کی توجیہ اور تشریح بھی ہے۔ فرمایا ''عرس عروس سے مشتق ہے عروس کے معنی ہیں دلہن، حدیث میں ہے کہ جب نیک بندے کی روح اللہ تعالیٰ کے سامنے جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''اب دلھن کی نیند سوجاؤ'' (۲۴)

اسی طرح انگریزی الفاظ کا بھی موقع بہ موقع استعمال کیا گیا ہے، بلکہ بعض جگہ تو جملے بھی انگریزی کے ہیں:

You must squeeze as much as you can out of the Khwaja Sahib.(۲۵)

> ''اس کے بعد فرمایا کہ حقیقتِ عبد حقیقتِ کعبہ سے بڑی ہوتی ہے کیوں کہ کعبے کے متعلق تو صرف ایک دفعہ اللہ ''بیتی'' یعنی 'میرا گھر' فرمایا ہے اور وہاں اللہ میاں رہتے تھوڑی ہیں، کعبے کو اللہ سے ایک نسبت ہے۔ وہاں کچھ تجلیّات ہیں لیکن کعبہ صرف ایک صفت کا مظہر ہے اور انسان مظہر جمیع اسماؤ صفات ہے اس میں کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِی شَاۡنٍ بھی ہے۔ حقیقت عبد قرآن سے افضل ہے کیوں کہ قرآن شریف صرف ایک صفت کا مظہر ہے، صفت کلام، اِس لیے مولوی صاحبان کے نزدیک بھی قرآن کو تکیے کے نیچے رکھ کر سو سکتے ہیں۔ مولوی صاحبان اس امر کو جائز بتاتے ہیں لیکن اس کی وجہ بیان نہیں کرسکتے۔'' (۲۶)

اس کتاب کی پہلی اشاعت محفل ذوقیہ کراچی کے تحت ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء میں ہوئی۔ ہمارے پیش نظر طبع ششم ۱۴۲۸ھ /۲۰۰۷ء ہے۔

''تربیت العشاق'' شاہ سید محمد ذوقیؒ کے ملفوظات اور حالاتِ زندگی کا مجموعہ ہے۔ اسے تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصّہ جو ملفوظاتِ ذوقی پر مشتمل ہے۔ اس میں شہید اللہ فریدیؒ کے اور کیپٹن واحد بخش سیال کے جمع کیے ہوئے ملفوظات ہیں۔ زیر بحث حصّہ ثانی الذّکر کا ترتیب دیا ہُوا ہے جو صفحہ ۱۳۵ تا صفحہ ۴۲۴ تک پر مشتمل ہے۔ اس حصّے میں ۴۴ مجلسوں کا بیان ہے، جو جون ۱۹۴۰ء سے ۸، محرم ۱۳۶۴ھ / ۲۵ دسمبر ۱۹۴۴ء تک مختلف مقامات پر ہوئیں۔ ان ملفوظات کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انھیں موضوع کے اعتبار سے عنوانات دیے

گئے ہیں اور ان عنوانات کی فہرست مع صفحہ نمبر، آغاز میں دے دی گئی ہے جو قارئین کے لیے موضوع کی تلاش میں آسانی پیدا کرتی ہے۔خانقاہی ادب کی تحریر کا کوئی مقصد یا محرک ہو یا نہیں، ایک مقصد اصلاح تو ہو تا ہی ہے۔ یہی محرک و مقصد اِن ملفوظات کا بھی ہے، جس کا تذکرہ شہید اللہ فریدیؒ نے پیش لفظ میں کیا ہے، جسے پہلے بیان کیا جاچکا ہے کیپٹن واحد بخش سیال کے مرتب کردہ ملفوظات میں جو موضوعات ہیں۔اُن میں سے بیش تر کا تعلق روحانیت اور صوفیانہ مزاج سے ہے۔چند ملاحظہ فرمائیں : قوتِ ایمان، جہاز کے کپتان کا مسلمان ہونا، نمازِجمعہ میں خواجہ غریب نواز کی امامت، عرس کے دھکّوں میں برکت، تکلیفات میں تکرار نہیں، توکُّل ، فنائیت فی الشیخ ،لطائف ستّہ، سلاطین کو نصیحت وغیرہ۔ مگر ایسے نکات بھی بیان کیے ہیں، جن کا تعلّق تبلیغ و اصلاح سے ہے۔اس بارے میں ذوقیؒ صاحب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ پہلے آدمی خود اپنی اصلاح کرے، پھر دوسروں کو نصیحت کرے۔ ایک مولوی صاحب کے بارے جو دوسروں پر تنقید کے خواہش مند ہوتے تھے، اُس کے بارے میں فرمایا :

> ”کمبخت تم پہلے اپنے متعلق کہو، جب تک اپنے آپ کو نہ سدھاروگے ناممکن ہے کہ دوسروں کی اصلاح کر سکو، جب تمھاری اصلاح ہو جائے گی تو دوسروں کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی۔“ (۲۷)

اِن ملفوظات میں کئی اہم نکات کی عام فہم تشریح کی گئی ہے۔”فلسفۂ معصیّت “ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ معصیّت کے وجود کی ضرورت یوں ہے کہ اللہ کی رحمت و عنایت اس قدر زیادہ ہے کہ اس کو توازن میں رکھنے لے لیے معصیّت کا ہونا لازمی ہے۔(۲۸)جمہوریت کے بارے میں فرمایا:”جمہوریت کا مطلب ہے، اکثریت کی حکومت، لیکن دنیا میں اکثریت جہلا کی ہے۔اہلِ حق تو اقلیت میں ہیں۔اس لیے جمہوریت دراصل جہلا کی حکومت ہے۔یہ لوگ Sovereignty of man(انسان کے اقتدار) کے قائل ہیں اور اسلام میں Sovereignty of God ہے، یعنی تمام حکومت اور اختیار واقتدار اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ اقلیت ہے۔ “(۲۹)۔اسی طرح ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ جمہوریت ایک شیطانی چیز ہے، چوں کہ دنیا میں کفّار سب سے زیادہ ہیں، اس لیے شیطان نے کفّار کی حکومت کے لیے جمہوریت کا خیال ڈال دیا۔(۳۰) ایک مرتبہ مسلمان اور مومن کا فرق یہ بتایا کہ آدمی کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے لیکن مومن اللہ سے شدید محبّت کرتا ہے۔ پھر قرآن کی یہ آیت پڑھی وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (۳۱)اِسی بات کو ایک ٹی وی پروگرام میں اشفاق احمدؒ نے یوں بیان کیا تھا کہ مسلمان اللہ کو مانتا ہے اور مومن اللہ کی مانتا ہے۔

”تربیت العشّاق“ میں انسانیت کے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔مولانا فضل الرحمان کا ایک واقعہ بیان کیا ہے، جن پر شریعت کا غلبہ ہُوا تو مسجد میں شریعت پر سختی سے عمل کرانے لگے مگر ایک مرتبہ مٹّی میں پاؤں لتھڑے ہوئے، بدبودار چلم پینے والے شخص سے قریب ہو کر گفتگو فرمائی۔جب آپ سے معلوم کیا تو فرمایا: ”یہ صاحبِ خدمت ہیں اور ہندوؤں کے فلاں میلے کا انتظام کرنے کی خاطر جا

رہے ہیں اگر میری اور تمھاری شکل میں جاتے تو پِٹ جاتے۔"(۳۲)اسی طرح سدا سہاگی کے عنوان سے جو ملفوظ ہے۔اس سے مخنثوں(ہیجڑوں) کے بارے میں نفرت اور بدگمانی ختم ہو جاتی ہے۔(۳۳)

ان ملفوظات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں زبان دانی کے حوالے سے کچھ الفاظ کی درست معنویت کی طرف بھی رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ایک موقعہ پر فرمایا جو لوگ لفظ "تبرّا "کا غلط استعمال کرتے ہیں، کیوں کہ تبرّا کے معنی ہیں "بَری ہونا"۔اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم صحابہؓ کو نہ بُرا کہتے ہیں اور نہ بھلا، بلکہ آزاد ہیں مگر ایک فرقے کے ہاں اب یہ گالی دینے کے معنوں میں مستعمل ہے،اِسی طرح ایک مرتبہ مولوی صاحب نے "نار" کے معنی آتش، آگ بیان کیے، آپ نے فرمایا۔یہ تو الفاظ ہیں معنی تو ہیں "وہ جو چولھے میں ہے۔"(۳۴)

ان ملفوظات کا اسلوب بیانیہ ہے،روانی اور تاثیر ہے۔فارسی اور اردو اشعار برمحل استعمال کیے گئے ہیں،ہر چند ملفوظات کے بعد دل چسپ اصلاحی واقعات ہیں، جو تاریخی نوعیت کے بھی اور ماضی قریب کے بھی ہیں، جن سے قاری کی توجہ اور دل چسپی برقرار رہتی ہے۔نمونہ نثر ملاحظہ کیجیے۔

> "حضرت شاہ صاحبؒ بہت نڈر اور جرّی تھے، ایسے موقعوں پر جب کہ عموماً لوگ بدحواس ہو جاتے ہیں یا دب کر کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، وہ بالکل نہیں گھبراتے تھے۔ ان کی زندگی میں کئی ایسے مواقع آئے اور ہمیشہ بالکل پر سکون رہے۔چناں چہ ایک مرتبہ بمبئی کے قیام کے زمانے میں ایک جھوٹی شکایت پر پولس تلاشی کے لیے آئی۔انھوں نے کسی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا،اُس وقت ناشتا کر رہے تھے۔انسپکٹر پولس کو کہلوایا : "میں ناشتا کر رہا ہوں، ذرا ٹھہرو۔"(۳۵)

"تربیت لعشّاق" کی اشاعتی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

کپتان واحد بخش سیال کا جمع کیا ہُوا شاہ سید محمد ذوقیؒ کے ملفوظات کا یہ مجموعہ "تربیت العشاق" کے صفحے نمبر ۵۰۷ تا ۸۲۷ پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں واحد بخش سیال کے دو ملفوظات کے مجموعے اور ایک "مقدمہ" بھی شامل ہے۔جن میں سے ایک پر اوپر بحث کی جا چکی ہے۔مقدمے میں انسان کی حقیت، زندگی کا مقصد، روحانی معاملات کے ساتھ ملفوظات کی اہمیت اور حضرت شاہ سید محمد ذوقیؒ کے مختصر حالات اور کتب کے بارے میں اظہارِخیال کیا گیا ہے۔یہ مقدمہ ۸۲ صفحات کا ہے۔زیرِ بحث ملفوظات جو کم و بیش ۶۵ مجالس پر مشتمل ہیں جو مختلف اہم اور مقدّس مقامات میں منعقد ہوئیں۔اِن میں مکّہ معظّمہ، مدینہ منوّرہ ،اجمیر شریف، پاک پتن،ڈیرہ نواب، بہاول پور، کراچی، جدہ وغیرہ شامل ہیں۔ان مجالس میں جو دانش ورانہ، علمی، صوفیانہ اور فکری نکات پیش کیے گئے انھیں ۳۴۵ (تین سو پینتالیس) کے قریب عنوانات دیے گئے ہیں۔یہ ملفوظات "تربیت العشاق" میں شامل سب سے زیادہ صفحات پر مبنی ہیں۔ان ملفوظات

کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ آپؒ کے آخری عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی نہیں ذوقی صاحبؒ کی آخری وقت تک کی گفتگو، ان ملفوظات میں موجود ہے۔ گویا روحانیت کے جس اعلامقام پر آپ فائز تھے، اُس مقام سے جو معرفت الٰہی کے طریقے آپؒ بیان فرمارہے تھے، وہ سب اِس کتاب کی زینت بن گئے اور راہِ سلوک کے مسافروں کے لیے رہ نمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

تربیت العشّاق" کے اِن ملفوظات میں انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے بیش تر پہلوؤں کو سمو دیا گیا ہے۔ اِن میں معاشیات کے پہلو ہیں تو سائنس کے نکتے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ انسان کے انفرادی معاملات کو پیش کیا گیا ہے تو اجتماعی زندگی کو بھی زیرِ بحث لا یا گیا ہے۔ دینی اور مذہبی گتھیاں سلجھائی گئی ہیں تو سیاست کے بارے میں نقطۂ نظر بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کی آیات کے ترجمے اور تشریح کو پیش کیا گیا ہے تو علمی اصطلاحوں کی وضاحت بھی بیان کی گئی ہیں۔ زبان و بیان کے باریک نکتوں پر اظہارِخیال کیا گیا ہے تو مضمون نویسی پر لطیف اشارے بھی کیے گئے ہیں۔ چند عنوانات ملاحظہ کیجیے۔ علم و شعور کا فرق، اصلاحِ حال اور مضمون نویسی، توکل الی اللہ، توکُّل خواص و توکُّل عوام، طریقۂ علاج، علما اور صوفیا کا فرق، منزلِ مقصود، خلوص نیّت، سیاست مذہب کا جزو ہے، انگریزوں کا خاتمہ، اشتراکیت، اسلامی سیاست، نظریۂ اضافت، مسئلہ قضا و قدر، جبر و اختیار، وحدت الوجود، وحدت الوجود اور قرآن، سلوک میں شارٹ کٹ، آج کل کا ماحول، نفس کُشی کا بہترین طریقہ وغیرہ۔

ان ملفوظات کا بنیادی محرک سلوک کے مسافروں کی رہنمائی کے ساتھ، عوام و خواص کی ذہنی الجھنوں کو دُور کرنا ہے۔ اسلام کو عام فہم انداز میں پیش اور مذہبی رواداری پیدا کرنا ہے۔ انسانیت کا درس اور تصوّف کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرکے، جدید تقاضوں سے آگہی دینا ہے۔ غرض یہ کہ انسانوں کو صراطِ مستقیم اُس زاویے سے دکھانا ہے کہ یہ انھیں ایسا آسان نظر آئے کہ سب بہ خوشی اس راہ پر گام زن ہو جائیں۔

ان ملفوظات کا اسلوب بیان بھی سادہ اور رواں ہے، اندازِبیان اور الفاظ کا چناؤ اس قدر نپا تُلا ہے کہ عام و خاص، دونوں کی اس میں دل چسپی برقرار رہتی ہے۔ روز مرّہ زندگی میں استعمال ہونے والے انگریزی الفاظوں کو روانی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں پورے پورے انگریزی جملے بھی درج کیے گئے ہیں۔ عموماً ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ بیان میں تاثیر ہے۔ جس کا سبب کہنے والے اور تحریر کرنے والا کا جذبہ ہے۔ فارسی اور اردو کے اشعار جابجا پیش کیے گئے ہیں۔ سمجھانے کے لیے مثالوں سے بھی کام لیا گیا ہے۔ نمونۂ نثر ملاحظہ کیجیے۔ یہ عبارت "کیا انسان آزاد ہے؟" کے تحت درج ہے۔

"ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ انسان کی ذات ایک محدود ہستی ہے۔۔ وہ چار عناصر کا مجموعہ ہے، جہاں ایک عنصر کی زیادتی یا کمی ہوئی، جسم کا سارا نظام بگڑ گیا۔ فرمایا آگ پانی کی دشمن ہے اور پانی آگ کا۔ اس طرح مٹی اور پانی میں بھی باہمی دشمنی

ہے۔ انسان کے ان چاروں متضاد عناصر کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے، اس لیے ان کو اعتدال میں رکھنا بہت مشکل ہے۔ جسمانی اور روحانی مشاغل سے اس اعتدال کو قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس قدر مقید ہونے کے باوجود لوگوں نے انسان کی آزادی کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ یہ لوگ بالکل جاہل ہیں، کچھ نہیں جانتے۔ انسان ایک تعیّن ہے، اگر انسان آزاد ہو جائے تو گویا ایک تعیّن کا وجود ختم ہو جائے گا اور نتیجتاً تمام کائنات کا نظام، درہم برہم ہو جائے گا۔"(۳۶)

"تربیت لعشّاق" کی اشاعتی تفصیل پہلے تحریر کر دی گئی ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا جمع کیا ہُوا، مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات کا مجموعہ "مجالسِ حکیم الامّتؒ" اس اعتبار سے دیگر ملفوظات سے مختلف ہے کہ اس میں صاحبِ ملفوظات کے ساتھ جامع کی آرا بھی بکثرت نظر آتی ہے۔ یہ آرا اِس حوالے سے اہمیت کی حامل ہے کہ صاحبِ ملفوظ کے ارشادات، اعمال اور روّیوں کو جامع مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے موجودہ حالات کے تناظر میں دیکھا ہے۔ اِس عمل سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ ملفوظات مختلف مجالس میں بیان کیے گئے ہیں، جو ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۵۸ھ تک منعقد ہوئیں۔ جن میں سے بیشتر رمضان المبارک میں ہوئیں۔

اِن ملفوظات میں تصوّف کے معاملات کے ساتھ فرد، قوم اور معاشرے کی اصلاح کے حوالے سے بھی اہم نکات بیان کیے گئے ہیں۔ جس سے قاری کی معلومات میں اضافہ اور ذہنی وفکری ارتقا ہوتا ہے۔ وہ ان ملفوظات کو قلب و ذہن پر نقش کر لے اور ان پر عمل پیرا ہو جائے تو معاشرے کا مثالی اور مفید فرد بن سکتا ہے۔ جیسے کہ بیعت کے بارے میں فرمایا کہ؛ طریقت میں حبِّ شیخ بہت ضروری ہے ۔لوگ اعتقاد تو کرتے ہیں مگر انقیاد یعنی اتباع نہیں کرتے۔ اس لیے میں بیعت کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ اسی طرح علمائے کرام کے درمیان اختلاف کے بارے میں فرمایا کہ ایسے موقع پر عوام کو کیا کرنا چاہیے۔ ملاحظہ ہو:

" کارِخود کُن کارِ بے گانہ مکن

زبان اور قلم اور قلب سے سکوت رکھیں، پریشانی پر صبر کریں، نہ کسی کے معتقد رہیں، نہ کسی سے بد اعتقاد ہوں کیوں کہ یہ دونوں چیزیں ایذادہ ہیں۔ قیامت میں اس کی پوچھ بھی آپ سے نہ ہو گی۔" (۳۷)

ان ملفوظات کے ذریعے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اُس دور کے سیاسی نظریات سے بھی آگہی ہوتی ہے۔ کہ آپ شرعی وجوہ سے تحریکِ خلافت میں شریک نہیں تھے۔ (۳۸)اسی طرح انگریزوں کی دوستی کو فتنۂ باطنہ اور اُن کی دشمنی کو فتنۂ ظاہرہ فرماتے، کیوں مسلمان کو ان سے مقابلے کی طاقت نہیں، لہٰذا دونوں سے پناہ مانگتے۔ اِس بارے میں مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے بھی لکھا ہے کہ اُس وقت ہندوؤں کے اشتراک اور شرعی حدود سے ناواقف لیڈروں کی وجہ سے جلسے جلوسوں میں شرعی امور سے بے پراوئی برتی جاتی تھی، اس لیے ان تحریکات میں آپ نے شرکت نہیں فرمائی۔(۳۹)

ملفوظات کو جمع کرنے کا محرک تو عام وخاص کی تربیت واصلاح ہے۔ کیوں کہ ”آپ کی مجالس علم ومعرفت کے ساتھ اصلاح ظاہر وباطن میں جو تاثیر رکھتی ہیں، اس کو تو وہی جان سکتے ہیں، جن کو اِس دربار کی کبھی حاضری نصیب ہوئی ہے، اس کو کسی بیان وتعبیر سے نہیں سمجھا جاسکتا۔“ (۴۰)

ان ملفوظات کا اسلوب مجلسی انداز میں ہے۔ جس میں مکالمات بھی ملتے ہیں۔ سوالات کے جوابات میں استدلالی طریقِ کار بھی دکھائی دیتا ہے۔اس کے علاوہ جامع کی آرا بھی بات کی تفہیم میں معاون ہوتی ہے۔ایک موقع پر آپ نے فرمایا، امراضِ باطنہ میں اذکار واوراد مرض کو مزید بڑھا دیتے ہیں۔ اِس کے لیے حکمت سے مثال دی کہ جس طرح جسم میں صفرا بڑھا ہُوا ہو تو غذا میں بے احتیاطی صفرا کو بڑھا دیتی ہے۔ اس لیے پہلے مسہل کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر مقوی غذا دی جاتی ہے۔ اس سوال پر کہ اصلاحِ اعمالِ باطنہ کے طریقے کتب میں مذکور ہیں تو پھر شیخ کی کیا ضرورت ہے ؟ آپؒ نے فرمایا کہ بیماریوں کے علاج کتابوں میں مذکور ہیں تو پھر طبیب اور ڈاکٹر کی کیا ضرورت ہے؟ ملفوظات کی نثر ملاحظہ کیجیے:

> ”فرمایا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بڑے حکیم اور دانش مند تھے۔ اپنے طلبا اور مریدین کو نصیحت فرماتے تھے کہ علمی سبق ہو یا ذکر وتسبیح، اِس کے لیے جتنا وقت متعیّن کیا ہے اس کو بالکل آخر تک نہ پہنچاؤ، ذرا پہلے چھوڑ دو، اس کا اثر یہ ہوگا کہ دوبارہ اس کام کی طرف جلد رغبت ہوگی اور اگر آخر تک پہنچا کر اور تھک کر چھوڑا تو دوسرے وقت اس کی طرف جلد رغبت نہ ہوگی، جیسے اطبّا کا قول ہے کہ کھانا بالکل پیٹ بھر کر نہ کھاؤ بلکہ تھوڑی سی بھوک اور رغبت باقی ہو، اُس وقت چھوڑ دو تو دوسرے وقت کُھل کر بھوک لگے گی اور فرمایا کہ بچّوں کا کھیل چکٹی یا پھلڈور دیکھتے ہو کہ جب اِس کو چلاتے ہیں تو تھوڑا سا ڈورا اس پر لپٹا ہُوا چھوڑ دیتے ہیں، تاکہ وہ آسانی سے واپس آجائے اور اگر پوری ڈور کھول دیں تو پھر لپیٹنے اور واپس آنے میں بڑی دیر لگتی ہے۔“ (۴۱)

ان ملفوظات کے اشاعتی کوائف یہ ہیں ۔ مولانا مفتی محمد شفیع:" مجالسِ حکیم الامت " کراچی، دارالاشاعت، جنوری ۲۰۰۷ء۔اس سے قبل اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ عرض ناشر ۱۳۶۶ھ کا تحریر کردہ ہے جو کتابت کی خامی ہے کیوں کہ اس میں مفتی شفیعؒ کے وصال کا ذکر ہے جو ۱۳۹۶ھ میں ہوا، غالباً اِس کا اوّل ایڈیشن ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں شائع ہو چکا تھا۔ کیوں کہ اس پہ نظر ثانی ظفر احمد عثمانی نے ۲۲ محرم ۱۳۹۳ھ میں کی تھی۔ (۴۲)

مولانا حکیم محمد اختر نے مولانا شاہ ابرار الحق کے ملفوظات کو "مجالسِ ابرار " کے عنوان سے شائع کیا۔ مولانا ابرار الحق، مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا حکیم محمد اختر شاہ، ابرارالحقؒ کے خلیفہ مجاز ہیں۔صاحب ملفوظ کا تعلق ہندوستان کے علاقے دوئی یوپی سے تھا۔ آپؒ حج سے واپسی پر محرم کے اوّل عشرے ۱۳۹۶ھ / جنوری ۱۹۷۶ء میں سندھ تشریف لائے اور دو ہفتے قیام فرمایا۔ ان دو ہفتوں میں آپؒ نے کراچی اور حیدرآباد میں مجالس سے جو اصلاحی بیان فرمایا۔ اُن بیانات کو مرتب نے کتابی صورت میں جمع کر دیا ہے۔ یہ ۱۶۴ ملفوظات پر مشتمل ہے۔

یوں تو سارے ملفوظات ہی اصلاحی پہلو لیے ہوئے ہیں مگر پہلا ملفوظ انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور موجودہ معاشرہ حتّٰی کہ علما اور مشائخ بھی اس طرف توجہ نہیں دیتے۔ ارشاد فرمایا:

> "جب وعظ کا اعلان دس منٹ کا ہو تو دس منٹ پر وعظ کو ختم کر دینا چاہیے، کیوں کہ یہ اعلان بھی ایک عہد اور وعدہ ہے، بعض لوگ مختصر وقت سمجھ کر شرکت کر لیتے ہیں اور دس منٹ بعد ان کو کوئی ضروری کام ہوتا ہے، اب اگر وعظ طویل ہُوا تو مجمع سے اُٹھتے ہوئے شرم محسوس کر کے بیٹھے رہ جاتے ہیں اور دوبارہ جب اس اعلان کو سنتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ یہ محض زبانی اعلان ہے، عمل اس کے برخلاف ہو گا۔" (۴۳)

ہمارے معاشرے میں جس قدر پابندیٔ وقت کی خلاف ورزی کی جاتی ہے، ایسا محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کوئی گناہ کر رہے ہیں، حال آں کہ وعدے کی خلاف ورزی اور عہد شکنی خلافِ حقوق العباد ہے۔ دیکھا جائے تو یہ جھوٹ کے زُمرے میں بھی آتا ہے اور جھوٹے پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ افسوس کہ ہمارے مذہبی لوگ بھی جو دعوتِ دین کا کام سرانجام دے رہے ہیں، اس معاملے میں مصلحتِ منفی کا شکار نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر شعبہ جات کے افراد میں وقت کی پابندی کی ذرا بھی پروا نہیں کی جاتی۔ اس عمل سے دنیا کی قیمتی ترین شے وقت کا بہت زیاں ہوتا ہے۔

کئی ملفوظات میں تصوّف اور روحانیت کے معاملات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس سے سالکین استفادہ کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں روزمرہ زندگی میں آنے والے مسائل کا روحانی، نفسیاتی اور سماجی حل بھی پیش کیا گیا ہے، یوں ان ملفوظات کا مطالعہ شائقِ تصوُّف کے علاوہ عام افراد کے لیے بھی زندگی گزارنے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتا ہے اور ان کی اصلاحِ باطن کے ساتھ اصلاحِ ظاہر بھی کر سکتا ہے۔ جیسا

کہ مصیبت اور پریشانیاں زندگی کا جزو ہیں۔ایسے مواقع کے لیے فرمایا: "مصیبت کے وقت صدمے کا احساس ہو پھر صبر کرے تب کمال ہے اگر صدمہ ہی نہ ہو تو کیا صبر ہے۔" (۴۴) اسی طرح فرمایا کہ "مصائب میں یا حیُّ یا قیُّوم برحمتک استغث کثرت سے پڑھے اور حق تعالیٰ کے مالک، حاکم، حکیم، ناصر اور ولی ہونے کا سوچا کرے پھر کیا غم۔" (۴۵)

زیرِ بحث ملفوظات کے بارے میں چند آرا یہ ہیں ۔ محمد عبدالحی لکھتے ہیں:

" ان تمام ملفوظات میں ہمارے حضرت والا کا مذاق اور مسلک کا رنگ جھلکتا ہے اور ازِلی خیزد بردل ریزد والا اثر محسوس ہوتا ہے۔ انشااللہ تعالیٰ ناظرین کو جن میں طلب اور تشنگیٔ دین ہے ،امیدِ قوی ہے کہ ان سے نفعِ عظیم ہو گا۔ "(۴۶)

نجم حسن نگرامی فرماتے ہیں:

"بیان اور حسنِ بیان سے قطع نظر ماشااللہ علمی و عملی شانیں اور آنیں، یہی نہیں کہ خاص ابراری انداز رکھتی ہیں بلکہ ان کی نافعیت انشااللہ یقینی ہے، پھر ایک خاص شان یہ ہے کہ مصلحانہ انداز میں کوئی ضعف و رعائیت نہ ہونے کے باوجود قلب وروح اس سُرور اور نفع دونوں حاصل کرتے ہیں۔" (۴۷)

ملفوظات کا محرک اوّل تو وہی ہے جو خانقاہی ادب کی تصنیف و اشاعت کا ہوتا ہے،یعنی اصلاح اور فائدۂ خلق، جس کا اظہار مرتب نے مقدمے میں یوں کیا ہے۔"احقر کے قلب میں شدّت سے یہ داعیہ پیدا ہُوا کہ ان کو طباعت سے آراستہ کر دیا جائے تاکہ دوسرے طالبینِ حق بھی مستفید ہو سکیں۔ "(۴۸) اسی طرح ان ملفوظات کو جمع کرنے کا ایک مقصد توشۂ آخرت بھی ہے۔جس کے لیے جامعِ ملفوظات نے صاحبِ ملفوظات اور قارئین سے مغفرتِ بے حساب، حسنِ خاتمہ اور جنت میں معیتِ صالحین کی درخواست کی ہے۔(۴۹) یہی اظہار تقریظات میں کیا گیا ہے۔

ان ملفوظات کا اسلوبِ بیان ادبی چاشنی لیے ہوئے ہے۔موقع بہ موقع فارسی اور اردو اشعار سے قاری محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہتے۔فارسی اشعار کے ساتھ اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ جس سے فارسی سے ناواقف قاری بھی لطف اندوز ہو جاتے ہیں۔خانقاہی ادب میں وہی اسلوب معیاری ہوتا ہے جس میں تاثیر ہو۔اس لیے بیان میں اشعار کی اہمیت ہوتی ہے۔کیوں کہ نصیحت کے بعد جب اُسی موضوع سے متعلق اشعار پیش کیے جاتے ہیں تو نہ صرف بات ذہن پر مرتسم ہو جاتی ہے بلکہ اس کی تاثیر بھی دوچند ہو جاتی ہے۔ان ملفوظات میں یہ کمال صرف صاحبِ ملفوظ ہی نے نہیں بلکہ مرتبِ ملفوظ نے بھی دکھایا ہے۔ نیز اردو ضرب الامثال کا بھرپور استعمال بھی نہایت برمحل اور خوب صورت ہے۔ملاحظہ ہو:

”ارشاد فرمایا؛ کہ جب طبیعت کے موافق حالات پیش ہوں تو شکر سے حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور جب طبیعت کے ناموافق حالات پیش آئیں تو صبر سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے، پس مومن ہر حالت میں نفع میں ہے۔ چت بھی اس کی پٹ بھی اس کی۔

چوں کہ قبض آید تو دروے بسط بیں
تازہ باش و چیں می فگن بر جبیں

حضرت رومیؒ فرماتے ہیں کہ جب قبض آوے یعنی طبیعت بے کیف ہو، اس حالتِ باطنی کو بھی اپنے لیے مفید سمجھ کر تازہ اور خوش رہے اور پیشانی پر ناگواری کا اثر نہ آنے دے، اسی کو حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ہے۔

کبھی ہے دل میں جلال تیرا، کبھی ہے دل میں جمال تیرا
بس اب ہے دل اور خیال تیرا کسی کا اس میں گزر نہیں ہے

قبض میں بھی بسط کا تو لطف لے
بے تسلی بھی تسلی چاہیے
ہے جلالی تو جمالی گو نہیں
چاہے جیسی بھی سلی چاہیے

از مرتب عفی عنہ: بے کیفی کی حالت کی تسلی کے لیے، حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کے اشعار بھی کیا ہی خوب ہیں۔

بے کیفی میں بھی ہم نے تو، اک کیف مسلسل دیکھا ہے
جس حال میں بھی وہ رکھتے ہیں، اس حال کو اکمل دیکھا ہے
جس راہ کو ہم تجویز کریں، اس راہ کو اثقل دیکھا ہے
جس راہ سے وہ لے چلتے ہیں، اس راہ کو اسہل دیکھا ہے“(۵۰)

ضرب المثل کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے جو صفحہ ۱۴ پر بیان کی ہے۔ ایمان قبول کرنے والوں اور نہ قبول کرنے والوں کی قسمیں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آدمی پانچ طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ غافل ۲۔ سائل ۳۔ مائل ۴۔ جاہل ۵۔ مجادل

اوّل چار قسموں کو نفع ہوتا اور پانچویں قسم کو ہدایت نہیں ہوتی۔ ان کی طبیعت شیطان کی طرح ضدی ہوتی ہے۔ اس کی مثل مشہور ہے "پنچوں کا فیصلہ سر پر، مگر پرنالہ رہے گا یہیں پر۔"

بات کو سمجھانے کے لیے اشعار کے ساتھ روز مرہ زندگی سے مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ جو عمومی سوچ کے حامل کے لیے نکات کو آسان اور دیگر افراد کے لیے پُر اثر بنا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ، اگر کبھی ہماری طبیعت کے خلاف رنج اور مصیبت آئے تو راضی رہنا چاہیے، جس طرح ماں باپ کے احسانات کے سبب ان کی ڈانٹ اور مار کو تمام عقلا شفقت اور محبت سمجھتے ہیں۔(۵۱) "جو طالب علم اُصول کی پابندی نہ کرے، فوراً اس کا اخراج کرے، جس طرح درخت میں جو شاخ خراب ہوتی ہے، اس کو فورا کاٹ دیتے ہیں۔" (۵۲) پولس مین اور پوسٹ مین اپنی اپنی وردی سے شناخت کر لیے جاتے ہیں مگر طالب علمِ دین کو اپنا تعارف کرانا پڑتا ہے۔ صلحا کی وضع قطع کا اہتمام نہیں۔ صالحین کی صورت اختیار کرنے سے صلاحیت کی حقیقت بھی منتقل ہو جاتی ہے۔

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کر آیا ہوں (۵۳)

"جیسا ٹکٹ ہوتا ہے اسی طرح کا اس کا ویٹنگ روم ہوتا ہے، پس عالمِ برزخ ہر شخص کے اعمال کے مطابق ہو گا۔" (۵۴)

اسلوبِ بیان کی کئی مثالیں اوپر آچکی ہیں اس لیے مزید نمونے کی ضرورت نہیں ہے۔

کتاب میں مختلف صفحات پر مولانا شاہ ابرار الحق کی کتب کی تفصیل بیان کی گئیں ہیں۔ "مجالسِ ابرار "حصّہ اوّل(۵۵)، "ضمیمہ مجالسِ ابرار "(۵۶)، "امّت کی پریشانی اور انحطاط کا سبب اور اس کا علاج" (اِس کے نکات کی تشریح مولانا حکیم محمد اختر نے کی ہے۔)(۵۷)، "اصولِ زریں" (۵۸)، "احکامِ تبلیغ کیا ہیں۔؟ "(۵۹)، "مجالسِ ابرار " حصّہ دوم(۶۰)، "چند مواعظ حسنہ کے اقتباسات"(۶۱)، "ملفوظات مولانا شاہ ابرار الحق" کراچی آمد محرم الحرام ۱۳۹۹ھ (۶۲) ، " ارشاداتِ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق"(۶۳)، "اصول فلاح دارین"(۶۴)، "اشرف الخطاب" حصّہ اوّل(۶۵) ، "اشرف النِظام"(۶۶)، "اشرف النصائح"(۶۷)۔

کتاب میں ملفوظات کے عنوانات اور ان کی فہرست دے کر کتاب کو مزید مفید بنایا جا سکتا تھا۔ اس مجموعے، دیگر رسائل اور کتب کی فہرست کا بھی آغاز میں ہونا ضروری تھی۔ کتاب کی اشاعتی تفصیل بھی نہیں دی گئی ہے۔

داخلی شواہد"مجلسِ ابرار "حصّہ اوّل میں شامل اکابرین کی تقریظات، مقدمے اور"مجالسِ ابرار " حصّہ دوم کے مقدمے سے جو جامع ملفوظات کا تحریر کردہ ہیں۔ ان تحریروں سے پتا چلتاہے کہ اس کا اوّل ایڈیشن اپریل ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا ہو گا۔ موجودہ ایڈیشن جس میں دونوں حصّے اور صاحب ملفوظ کی کتب اور مواعظ بھی شامل ہیں۔ مواعظ کے اختتام پر ۱۶،جمادی الاوّل ۱۳۹۹ھ کا تحریر کردہ ہے(۶۸) جس کا عیسوی سن اپریل ۱۹۷۹ء بنتاہے۔ اس سے اندازہ ہوتاہے کہ یہ اپریل ۱۹۷۹ء کے بعد کتب خانہ مظہری کراچی سے شائع ہُوئی ہو۔

"مجالسِ ابرار" حصہ دوم، اُس دور کے ملفوظات پر مشتمل ہے، جب مولانا حکیم محمد اختر ہندوستان تشریف لے گئے تھے۔ وہاں دوئی (یوپی) ، بمبئی، حیدرآباد دکن، الہ آباد اور اعظم گڑھ میں مولانا شاہ ابرار الحقؒ کے ساتھ جو صحبتیں رہیں، اُن کا احوال ملفوظات کی صورت میں سالکین اور عوام الناس کے فائدے کے لیے تحریر فرما کر شائع کیا۔ اس حصّے میں ۱۷۸ ملفوظات ہیں۔ جس کے شمار کا آغاز صفحہ ۱۶۵ سے کیا ہے۔ یہ تقریباً ایک ماہ کی مجالس سے اخذ کیے گئے ہیں۔ جب کہ صاحبِ ملفوظ کی کراچی آمد پر جو ملفوظات جمع کیے گئے، اُن کی تعداد بھی کافی ہے۔ یہ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ کے ملفوظات ہیں۔ صرف ابتدائی ملفوظات میں تو تاریخیں دی گئی ہیں، اِس کے بعد پھر کسی ملفوظ پر تاریخ درج نہیں ہے۔

"مجالسِ ابرار "حصّہ دوم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جامع نے وقتاً فوقتاً اپنی آرا کا اظہار بھی کیا ہے، جس سے یقیناً بات کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ ان ملفوظات میں بھی روحانی اور اصلاحی نکات کے ساتھ نظم وضبط کے حوالے سے کئی اہم نکات ملفوظات کے موضوع بنے ہیں۔ بہ نسبت حصّہ اول کے، اس میں زندگی گزارنے کے طریقوں کو زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ طلبا کی تربیت کے کئی اہم پہلوؤں کو موضوع بنایا گیاہے، جیسا کہ ملفوظ ۱۹۷ میں ارشاد فرمایا کہ اخلاق رذیلہ اور اخلاقِ حمیدہ دس دس ہیں، جنھیں صاحبِ ملفوظات نے بالترتیب "مظلمات" اور "منورات" کا نام دیا ہے، اول الذّکر میں زیادہ کھانے کی ہَوس، زیادہ بولنے کی ہَوس، بے جا غصّہ کرنا، حسد کرنا، بخل کرنا اور مال کی محبت، دنیا، شہرت اور جاہ کی محبت وغیرہ اِن سب کا تعلق عادات واطوار اور فکری اور ذہنی مزاج سے ہے، جب کہ اخلاق حمیدہ میں سے بیش تر کا تعلق خانقاہی اور صوفیانہ نکات سے ہے۔ مثلاً توبہ، اخلاق وصدق، خوفِ الٰہی، محبت الٰہی، صبر، شکر وغیرہ(۶۹)۔ ان ملفوظات میں بعض ایسے حکیمانہ پہلو بھی بیان کیے ہیں، جن کا تعلّق مخصوص روّوں سے ہے۔ اِن میں سے ایک اندھی تقلید اور عقیدتِ بے جا بھی ہے۔ اپنے اکابرین کے بارے میں یہ تصوّر رکھنا، کہ اُن سے کوئی سہو نہیں ہو سکتا۔ یہ رویّے ہمارے معاشرے میں اور مذہبی افراد میں بالعموم حتّٰی کہ خانقاہوں سے متعلقین میں بھی دکھائی دیتے ہیں، اس لیے بہت سے لوگ اپنے اکابر کو ہر صورت میں کامل بنانے کے لیے اور دیگر معاملات پر بحث ومباحث کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس بارے میں آپ نے فرمایا کہ" بعض وقت اکابر سے بھی تسامح ہو سکتا ہے۔" (۷۰)اس طرح طلبا کی تربیت اور مدرسے کے انتظام کے بارے میں بھی بنیادی نکات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ طلبا کو یہ ہدایات دیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی دعوت نہ کیا کریں، اس سے تعلیمی خلل اور نقصان کے علاوہ ذلت بھی ہے، اساتذہ کی سختی اور ڈانٹ کو بھی

نعمت سمجھیں، مطالعہ لازمی کریں، استاد کا ادب کریں، کمروں کے سامنے سے کاغذ کے ٹکڑے اٹھایا کریں اور صفائی کا خیال کریں، بعد از اں اساتذہ سے بھی کئی گزراشات فرمائیں۔ اساتذہ کا تقرر جب کریں، ان کا بھی تنہائی میں امتحان لینا چاہیے، تنخواہ کا معیار حاجت پر ہونا چاہیے، بیمار بچّے کو زیادہ وظیفہ دینا چاہیے، (۷۱)ڈانٹ ڈپٹ کرتے وقت تذلیل مقصد نہ ہو، کوشش کی جائے کہ سب بچّے کام یاب ہوں، معائنہ کا مقصد صرف تعریف نہ ہو بلکہ اصلاح ہو وغیرہ(۷۲)ادارے کے بارے میں فرمایا کہ کمروں اور ان کے سامنے صفائی کا خاص خیال ہو۔ مسجد کے داخل حصّے اور خارج میں یکساں فرش ہونے سے پتا نہیں چلتا کہ مسجد کہاں شروع ہوتی ہے۔ نیز مدرسے کا دفتر اور دارالحدیث سے مسجد گزر گاہ بنی ہوئی ہو تو، اُس کا دروازہ الگ ہونا چاہیے وغیرہ(۷۳)

ملفوظات کے محرکات وہی ہیں، جو حصّہ اول میں بیان کیے گئے ہیں۔ یعنی لوگوں اور خود کی اصلاح اور آخرت کا توشہ جمع کرنا۔ ملفوظات کا اسلوبِ بیان کم و بیش وہی ہے جو حصّہ اوّل میں تھا۔ ملفوظات اختصار لیے ہوئے ہیں۔ تین سے لے کر سات سطروں تک، چند ایک آٹھ یا نو سطروں پر مشتمل ہیں۔ حصّہ اوّل کے تقابل میں ان ملفوظات میں اشعار کی تعداد بہت کم ہیں۔ ملفوظات کا دوسرا حصّہ غالباً علاحدہ شائع نہیں ہُوا۔ اشاعت کے بارے معلومات ''حصّہ اول'' میں دے دی گئی ہے۔

ڈاکٹر فرید الدین قادری کے مرتب کردہ الشاہ محمد غلام رسول القادریؒ کے ''ملفوظات ''کو شائع کرنے کا بنیادی مقصد عوام وخواص کی دینی و دنیاوی زندگی کی اصلاح ہے۔ اِن ملفوظات کی اشاعت کا ایک محرک سالکین کی روحانی تربیت اور رہ نمائی بھی ہے، ان ملفوظات کی اشاعت کا ایک اور مقصد، اُن خواتین وحضرات کو بھی فیض پہنچانا ہے، جنھیں آپ کی صحبتِ بابرکت سے استفادہ کا موقعہ نہیں مِل سکا۔ یہ ملفوظات ڈاکٹر فرید الدین قادری نے شاہ غلام رسول القادریؒ کی مختلف مجالس کی ریکارڈنگ اور اُن کے مریدوں سے سُن کر محفوظ کیے ہیں۔(۷۴)

ان ملفوظات کی زبان تو عام فہم ہے مگر اس کے بیان کے حسن پر خاص توجہ نہیں دی گئی، غالباً جیسا سُنا گیا۔ ویسے ہی کمپوز کر دیا گیا۔ جس کے سبب اسلوب میں روانی نہیں ہے۔ ختمہ اور سکتہ کا استعمال بھی کچھ مقامات پر نہیں کیا گیا۔ جس سے کہیں کہیں تفہیم میں بھی دشواری پیدا ہوتی ہے اور تحریر کا تاثر کماحقہٗ پیدا نہیں ہو پاتا۔ ملاحظہ ہو۔

> ''ایک مرتبہ دورانِ بیان آپ نے ارشاد فرمایا، ایک مسئلہ مجھے یاد آگیا، جو آقائے نامدارؐ کی محبت کی نعمت اپنے دل میں رکھتے ہیں، اگرچہ وہ مشرق ومغرب میں کہیں سے بھی انتقال کر جائیں، لیکن جس دل کے اندر عشق محمدیؐ کی لگن ہو گی ان کا حشر انشاء اللہ قیامت کے دن بقعۂ محمدیؐ ہی سے ہو گا۔''(۷۵)

ملفوظات میں بیش تر مقامات پر اشعار بیان ہوئے ہیں۔ جن سے اُن کے شعری ذوق کا پتا لگتا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے بر محل اشعار اسلوب کے حسن میں اضافے کا سبب ہے۔ ملفوظات میں بیان کردہ اشعار بھی عام لہجے اور عام زبان لیے ہوئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا صاحبِ ملفوظات موزوں طبیعت کے حامل تھے، اس لیے کئی اشعار تو فی البدیہہ دکھائی دیتے ہیں۔ صبر کی اہمیت کے ضمن میں آپؒ نے یہ شعر پڑھا:

فقر کی ایک ایک منزل میں
صبر ہے شکر ہے قناعت ہے (۷۶)

ولایت اور کرامت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

ولایت ، امتحانِ دوست میں ثابت قدم رہنا
بلاؤں سے نہ گھبرانا، کرامت اس کو کہتے ہیں (۷۷)

قرآن کریم کی معنوی وسعت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن اور اسلام کے بارے میں یہ نقطۂ نظر مناسب نہیں ہے کہ ان کی ہر بات عقل میں آنے والی ہے، کیوں کہ قرآن کے کئی پہلوؤں تک انسانی عقل رسائی نہیں پا سکتی۔ اس نکتے کی تفہیم کے لیے شیخ سعدیؒ کا یہ قول بیان کیا کہ "ہر جگہ عقل کے گھوڑے کو مت دوڑا، کہیں تجھے ڈھال بھی لگانا پڑے گی۔ اس واسطے علامہ اقبال نے کہا:

بہتر ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ جب عقل اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرے تو، ایسی عقل کو ٹھکرانا اور فرمانِ رسول ﷺ کو اس سے بڑا جاننا ضروری ہے۔ پہلا مصرع درست یوں ہے۔ ع اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل۔

ملفوظات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اِن میں اصلاحی رنگ کے ساتھ اکابرین کی سیرت کے بھی کچھ پہلو بیان ہوئے ہے۔ علمی انداز بھی ان ملفوطات کی اہم خاصیت ہے۔ جہاں ضرورت ہوئی وہاں قرآن اور احادیث کے حوالے دیے ہیں۔ آپ کا اصلاحی طریقہ عوامی، پُر تاثیر اور جامع ہے۔ ایک مثال دیکھیے۔ ایک پریشان شخص کو کسی نے کہا کہ تم اپنا نام بدل ڈالو، سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ وہ شخص الشاہ محمد غلام رسول القادریؒ کے پاس آیا، اور اپنا مسئلہ اور نام بدلنے کا ذکر کیا۔ آپؒ نے فرمایا :"نام بدلنے سے کیا ہوتا ہے اپنے کام بدل ڈالو پھر دیکھو اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے کہ نہیں۔" (۷۸) لفظ میلہ اردو میں راگ رنگ اور تفریحی اجتماع کے معنوں میں

رائج ہو گیا ہے۔اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ "میلے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کوئی راگ رنگ ہو رہا ہے بلکہ میلے کے معنی یہ ہیں کہ ہمارا دل مولا کے متوالوں سے مِل رہا ہے اور ہم ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں۔" (۷۹)

ملفوظات کے موضوعات میں شریعت وطریقت دونوں رنگ پائے جاتے ہیں۔وضو، قرآن، نماز، زکات، حج کے شرعی پہلو بھی بیان کیے ہیں تو، اُن کے عارفانہ نکات کو بھی اِن میں پیش کر دیا گیا ہے۔سنّتِ نبوی ﷺ کی تلقین کی گئی ہے تو اُن کے فیوض وبرکات کو بھی تحریر کیا گیا ہے۔امام حنبلؒ اور امام شافعیؒ کا ذکر کیا گیا ہے تو غوث پاکؒ، محی الدین ابنِ عربیؒ اور مولانا رومؒ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ان ملفوظات میں جامعیت کے ساتھ حکیمانہ نکات بھی ہیں تو زندگی کے عمومی پہلوؤں کا تذکرہ بھی۔چند خانقاہی پہلو ملاحظہ کیجیے۔

حضرت مولانا شبلیؒ کا واقعہ تحریر فرماتے ہوئے، بیان کیا کہ ایک مرتبہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ حضور زکواۃ کا مسئلہ بتا دیجیے۔آپؒ نے فرمایا کون سی شریعت، طریقت یا حقیقت کی۔پھر اِن کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔شریعت کی ذکواۃ سال میں سو پر ڈھائی روپے دینا، طریقت کی ذکواۃ ڈھائی روپے رکھ کر سو روپے اللہ کے نام پر دینا اور حقیقت کی ذکواۃ یہ کہ سال میں سو بچ جائیں تو سو کے سو اللہ کے نام پر دے کر کُل کے لیے اللہ پر توکّل کیا جائے۔(۸۰)۔اسی طرح ایک موقع پر الشاہ غلام رسولؒ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن سے بہتر بیمار کی خدمت ہے۔اس جملے میں انسانیت کا درس دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کسی کے غم اور پریشانی میں کام آنا اور اُسے سہارا اور تسلّی دینا بھی ایک بڑی عبادت ہے۔یہ قرآن پڑھنے سے اس لیے افضل عبادت ہے کہ اس میں قرآنی تعلیمات پر عمل ہے۔(۸۱) عالِم، بادشاہ اور فقیر کے محفل کے آداب کے ضمن میں محمد غلام رسولؒ نے فرید الدین عطار کا یہ قول نقل کیا کہ عالِم کی محفل میں زبان، بادشاہ کے دربار میں نگاہ اور فقیر کی مجلس میں دل کی حفاظت کرنی چاہیے۔(۸۲)

ڈاکٹر صاحب زادہ فرید الدین قادری نے اس کتاب کی پیش کش میں عنوانات کو سرخی دے کر شائع کیا ہے۔قارئین کی سہولت کے لیے تمام ملفوظات کو موضوعات دیے گئے ہیں۔پھر ان موضوعات کی فہرست بھی صفحہ نمبر کے ساتھ درج کر دی ہے۔بعض مواقع پر اشعار کو نثری انداز میں تحریر کر دیا گیا ہے۔خانقاہی ادب میں ان ملفوظات کی اہمیت مسلم ہے۔الشاہ محمد غلام رسول القادریؒ کے ملفوظات کو اُن کے پوتے ڈاکٹر صاحب زادہ فرید الدین قادری نے "ملفوظات" کے عنوان سے مرتب کیا اور اسے قادری پبلی کیشنز کراچی کے زیرِ اہتمام ۱۹۸۵ء میں شائع کرایا۔

سید اکرام حسین چشتی کی کتاب "کشکول" بظاہر مکمل طور پر ملفوظات کا مجموعہ نہیں ہے، کیوں کہ اس کتاب "کشکول" میں صرف صوفیائے کرام ہی کے دانش ورانہ نکات شامل نہیں ہیں بلکہ انبیائے کرامؑ کے ساتھ دنیائے دانش کے غیر مسلم مفکّروں کے اقوال بھی کثرت سے شامل ہیں۔جنھیں مؤلّف نے پسند کیا۔علاوہ ازیں اس کتاب میں مؤلف شاہ اکرام حسینؒ کے پسندیدہ وہ ہندی دوہے اور اشعار بھی شامل ہیں، جن میں معنوی حسن کے ساتھ فنی خوب صورتی بھی پائی جاتی ہے۔اِن کے موضوعات میں تنوّع ہے۔تصوّف کے نکات شامل ہیں تو

شریعت کے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ زندگی کو خوب صورت بنانے کے گُر بیان کیے گئے ہیں تو آخرت سنوارنے کے طریقے بھی ان اقوال میں ملتے ہیں۔ نفسیاتی، جسمانی اور روحانی بیماریوں کے علاج بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ کتاب میں مؤلّف اور دیگر بزرگان کے ملفوظات بھی شامل ہیں۔ اِسے ملفوظات میں شامل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دانش ورانہ اور فکری نکات کسی بھی فرد کی ذہن رسا کا نتیجہ ہو مگر ایک صوفی نے اسے پسند کیا ہے اور وہ اسے بہتر سمجھتا ہے تو اس کا مقصد یہی نکلتا ہے کہ مصنف کے ذہن نے انھیں قبول کیا۔ لہٰذا یہ فکر صوفیا کے مزاج سے مطابقت رکھتی ہے، اس لیے انھیں ملفوظات کہا جاسکتا ہے۔

پہلا ملفوظ ہی انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جس کے مطالعے سے ذہن سیکھنے کی طرف متوجّہ ہو جاتا ہے۔ "تاریخ سے سب سے بڑا سبق یہ ملتا ہے کہ تاریخ سے کبھی کسی نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔" (۸۳) یہ قول اپنے اندر گہرائی لیے ہوئے ہے کیوں کہ یہ جملہ اکثر اہلِ علم کی محفلوں اور تحریروں میں بیان ہوتا ہے کہ اقوام اور افراد کو تاریخ یا ماضی سے سبق سیکھنا چاہیے لیکن یہ المیّہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ اس سے کوئی سبق نہیں سیکھتا۔ اِس جانب لطیف اشارہ کیا ہے کہ سیکھنے کا ذوق اقوام اور افراد میں بہت کم ہوتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے تو یہ فکر بنائی جائے کہ آدمی سیکھنے کی جانب راغب ہو، جس کی مثال مؤلف نے اپنی پیش کی ہے کہ بِلا تعصّبِ مذہب و ملّت ہر فرد کے اچھے پہلوؤں کو اپنے دل و دماغ میں بسایا، اقرار کیا اور اسے قرطاس کی زینت بنایا۔ صوفیا کی یہ صفت خاص رہی ہے۔ ایک حدیث کا مفہوم بھی ہے کہ حکمت مومن کی میراث ہے، جہاں سے مِلے حاصل کرلو۔ "کشکول" اس کی عملی مثال ہے۔

انسانی زندگی میں غور و فکر کرنے کے ساتھ عمل کے پہلو کو کسی طور بھی انداز نہیں کیا جاسکتا۔ عمل کے لیے اچھی صحت کا ہونا اشد ضروری ہے۔ یہ صحت مندی فکری، جسمانی اور روحانی ہر طرح سے ہونی چاہیے۔ ان تینوں پہلوؤں پر کئی ملفوظات کتاب میں موجود ہیں۔ مؤلف کا تعلق خود بھی حکمت سے رہا، اس لیے آپؒ کی دیگر کتب میں بھی صحت مندی کے راز افشاں کیے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ "زندگی میں صحت اللہ تعالیٰ کا اعلاترین انعام ہے جو اس نے اپنے بندوں کو دیا ہے۔ صحت کی حفاظت کو سب کاموں میں افضلت حاصل ہے۔" (۸۴) اسی طرح ایک اور مختصر جملہ جس پر کسی کا نام درج نہیں ہے۔ لکھا ہے۔ "معالجین کی کثرت، قومی صحت کے لیے خطرہ ہے۔ "(۸۵) یہ جملہ صرف جسمانی صحت ہی کی ترجمانی نہیں کرتا بلکہ اس میں دیگر شعبہ ہائے زندگی کی جانب بھی لطیف اشارہ ہے۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی کام کو کرنے والے زیادہ ہوں تو وہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

زندگی میں فکری پہلو کی اہمیت مسلّم ہے، اسے عملی زندگی میں بنیادی حیثیت حاصل ہے کیوں کہ یہ درست نہ ہو تو زندگی کی عمارت میں کجی باقی رہتی ہے۔ اس بارے میں فارسی کا مشہور شعر درج کیا ہے۔ بنیادی غلطی کرنے سے تمام زندگی پچھتانے کے سِوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود، دیوار کج

پہلی اینٹ اگر معمار ٹیڑھی رکھ دے گا تو دیوار اونچائی میں اپنی انتہا تک ٹیڑھی ہوتی جائے گی۔" (۸۶)

روحانی صحت کے بارے میں تو کئی ملفوظات اور اقوال "کشکول" کی زینت بنائے گئے ہیں۔ روح کی صحت سے بہت کم عوام وخواص واقف ہوتے ہیں، اِس کے معالج اور ان کے پتے بھی ملکوں ملکوں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔ اس کے لیے طلب صدق کی ضرورت ہوتی ہے۔ کتاب کے مؤلف حکیم شاہ اکرام حسینؒ جسمانی اور روحانی صحت کے معالج تھے، انھوں نے گناہ کے مضرات کے بارے میں فرمایا: "گناہ کسی نہ کسی صورت میں دل کو بے چین رکھتا ہے۔" (۸۷) اس کے ساتھ یہ قول بھی درج ہے۔ "وہ بد ترین شخص ہے جو توبہ کی امید پر گناہ کرے" (۸۸) اسی طرح نیک لوگوں کی صحبت کا آسان نسخہ بھی درج کر دیا ہے۔ موجودہ حالات میں اس نسخے کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ اچھے لوگ بتدریج کم ہوتے جا رہے ہیں۔ جب آدمی نام نہاد بزرگ اور نیک فرد کی صحبت اختیار کرتا ہے اور جب اس کے منفی پہلو افشاں ہوتے ہیں تو بہت دکھ ہونے کے ساتھ، دیگر نیک لوگوں کا اعتبار بھی اُٹھ جاتا ہے۔ موجودہ دور میں وقت کی کمی اور ذہنی انتشار بھی اچھی صحبت سے محرومی کا سبب ہے، آنے والے قول نے اس مسئلے کا حل پیش کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "آج کے عہد میں اگر برگزیدہ لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے کی تمنّا ہو تو، اُن کے حالات کی کتابیں پڑھو۔ "(۸۹) کیوں کہ اُن میں دنیا بھر کی مفکرین کی تحریریں اور فکر موجود ہوتی ہے۔ اُن میں موضوعات بھی اس قدر مل جاتے ہیں، جو ساری زندگی پر محیط ہیں۔

کتاب کو تحریر کرنے کے دو مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو قاری کی دل چسپی کا خیال مدِّ نظر تھا، یعنی قاری کے ذوقِ مطالعہ کو تسکین بہم پہنچانا اور دوسرا محرک یہ کہ فکر انگیز تحریر سے متاثر ہو کر لوگ غفلت کی زندگی کو ترک کر دیں۔

بیش تر ملفوظات اور اقوال مختصر یعنی دو، تین یا چار جملوں پر مشتمل ہیں۔ زبان عام فہم ہے، جہاں فارسی اور ہندی زبان کے الفاظ اور اشعار لکھے ہیں، ان کے معنی اور تشریح بھی بیان کی ہے۔ موجودہ دور میں جب مطالعہ کا رجحان بہت کم ہو گیا ہے، ان زبانوں سے واقف کار بھی بہت کم ہو گئے۔ جہاں جذبات کا عمل دخل ہے، وہاں سخت الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ آپؒ کی زندگی میں بھی جب ایسے افراد سے سامنا ہوتا تھا جو پست فکر اور آدابِ گفتگو سے واقف نہیں ہوتے تھے تو نازک مزاجی کے سبب آپؒ کا لہجہ سخت ہو جاتا تھا۔ یہ انداز آپؒ کی تحریر میں بھی کہیں کہیں جھلکتا ہے۔ جیسے " دین کو حصولِ دنیا کا ذریعہ بنانا انتہائی کمینگی ہے۔" (۹۰) کمینے شخص سے حاجت طلب کرنا، بیابان میں مچھلی طلب کرنے کے برابر ہے۔" (۹۱) شگفتگی کے حامل تحریریں بھی اس کتاب میں شامل ہے، یہ اندازِ اسلوب ماہر خطیب کی تقریروں اور خطبات میں نظر آتا ہے۔ سید اکرام حسین چشتی تحریر میں جب فکری اور گہری بات کرتے ہیں تو، ذہنی بوجھ کو کم کرنے کے لیے ایسے لطیف جملے ادا

کرتے ہیں کہ سامعین میں بشاشت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کا ذہن مزید فکری نکتوں کی سماعت کے لیے تیار ہو جاتا ہے، اس کا عملی مظاہرہ کئی صوفیا کی تقاریر اور تحریر میں محسوس کیا جا سکتا ہے، ایک لطیفہ درج کیا ہے۔

"جج ملزم سے: جانتے ہو جھوٹ بول کر کہاں جاؤ گے؟

ملزم: حضور دوزخ میں

جج: اور سچ بول کر؟

ملزم: جیل میں

"ایک شخص نے راقم الحروف [مؤلف] سے کہا: میں لوگوں سے محبت کرتا ہوں مگر لوگ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ میں نے کہا: بھائی میاں! اب تو لوگ اگر فائدہ نہ ہو تو دشمنی بھی نہیں کرتے تم محبت کی بات کرتے ہو۔" (۹۲)

سید اکرام حسین چشتی نے "کشکول" کو دو حصوں پر منقسم کیا ہے، جس کی کوئی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ملفوظات اور اقوال کو موضوع کے اعتبار سے ترتیب دیا جائے تو ذہن اس پہلو کو اچھی طرح تفہیم کرتا ہے اور اس کی تاثیر میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ پھر ان عنوانات کی فہرست سے اپنے ذوق کے مطابق مطالعے کی خواہش بھی بآسانی پوری ہو جاتی ہے۔ اس کتاب کو لکھنے کا آغاز ۹، مارچ ۱۹۸۳ء بروز بدھ بعد نمازِ عصر کیا گیا۔ اختتام ۲۴ جولائی ۱۹۸۸ء بروز اتوار بوقتِ ظہر ہوا۔ "کشکول" کو خواجہ خواجگان فاؤنڈیشن حیدر آباد نے پہلی مرتبہ ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔

صاحب زادہ محمد علم الدین القادری علمیؒ کے ملفوظات کو اُن کے فرزند و خلیفہ ڈاکٹر صاحب زادہ فر ید الدین قادری نے "ارشادات علمی" کے عنوان سے ترتیب دیا۔ ان ملفوظات کا بنیادی محرک تو وہی ہے، جو عموماً خانقاہی ادب کا ہوتا ہے یعنی اصلاحِ عوام و مریدین، ملفوظات کی ترتیب کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث اور دیگر کتب کے مطالعے اور زندگی کے تجربے سے جو کچھ حاصل کیا ہے اُسے اور اپنے افکار کو عقیدت مندوں کے سامنے پیش کر کے، انھیں صراطِ مستقیم پر گامزن کیا جا سکے۔ انھیں نہ صرف محفوظ کر لیا جائے، بلکہ اُن کے ذریعے عوام و خواص کی تربیت بھی کی جائے۔ اِن ملفوظات کے مسلسل مطالعے سے قاری کو صاحبِ ملفوظ کی صحبت میسر آجاتی ہے اور سالک اُن کے فیوض و برکات سے مستفیض ہو جاتا ہے۔ یوں صوفیاے کرام کا روحانی فیض اُن کے وصال کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ بقولِ ڈاکٹر فرید الدین قادری "اکابر اولیاء اللہ کے ملفوظات آج بھی طالبانِ خدا کی دینی و روحانی نشو و نما کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہے۔"(۹۳) مرتب نے یہ ملفوظات مختلف مجالس اور مواقع پر اپنے والد محترم سے براہِ راست سماعت فرمائے، انھیں کیسٹ میں ریکارڈ کیا، پھر کتابی صورت میں پیش کیا۔ یقیناً یہ کارِ خیر مرتب کی خواہش کے مطابق اُن کے لیے آخرت کا توشہ اور قارئین کی اصلاح کا موجب

ہو گا۔ یہ ملفوظات کراچی کی اولین "قادری مسجد" میں منعقد ہونے والی مختلف مجالس اور محافل میں بیان کیے گئے ہیں، اِن میں سے بیش تر گیارہویں شریف کی محفلوں کے بیان کردہ ہیں، اس کے علاوہ شبِ معراج، شب برأت، شبِ قدر۔ عاشورہ کی مجالس اور میلاد شریف کے سلسلے میں منعقد ہونے والی مجالس کے بیان سے اخذ کیے ہیں۔

ان ملفوظات کا اسلوب ادبی اہمیت لیے ہوئے ہے۔ اس کی زبان و بیان میں روانی ہے۔ جس سے قاری تسلسل کے ساتھ اس کا مطالعہ کرتا ہی چلا جاتا ہے۔ اندازِ بیاں خطیبانہ ہے۔ جسے مرتب نے اُسی انداز میں تحریر کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے کچھ صفحات کے مطالعے کے بعد قاری خود کو ان محافل کا حصّہ سمجھنے لگتا ہے۔ صاحب زادہ محمد علم الدین القادری علمیؔ نے ملفوظات میں مختلف مثالوں سے مریدین کی خلوص سے اصلاح کی ہے۔ شبِ قدر کی محفل میں اِن ملفوظات کے بارے میں فرمایا: میرے عزیز دوستو! ہمارا یہ کام جفاکشی کا ہے، ہم بھی مزدور اور محنت کش کی طرح اپنی جان لگاتے ہیں، سامعین کی دل کی زمین میں علم و عرفان کے بیج بوتے، پانی دیتے اور ہاری کا کام کرتے ہیں۔ اب یا مقدّر یا نصیب، جو خلوص سے سُنے گا، وہ پھول چُنے گا۔(۹۴) اس اسلوبِ بیان کی ایک خوبی رعایتِ لفظی کا بھرپور اور بامعنی استعمال ہے۔ علم نجوم کے بارے میں ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ لوحِ محفوظ اللہ کے پاس ہے، کسی پنڈت یا نجومی کے پاس نہیں، نہ ہی ہم سورج، چاند اور ستاروں کے بندے ہیں، نہ ہی یہ ستارے کچھ دے سکتے ہیں۔ اس موضوع کی نسبت سے اقبال کا یہ شعر درج کیا ہے:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہے

راقم کے خیال میں اقبال کا یہ شعر بھی مذکورہ موضوع کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخیٔ افلاک میں ہے خوار و زبوں

یہی نہیں پھر آپ ﷺ کی یہ حدیث بھی نقل کی کہ میرے تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔(۹۵) اسی طرح قادری مسجد کے اطراف میں موجود آبادی کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہمارے ایک طرف جبرستان (یعنی فوجی لوگ)، دوسری طرف گبرستان (پارسی لوگ) اور بیچ میں صبرستان (ہم صابر) ہیں۔"(۹۶)

اِن ملفوظات میں حسب ضرورت بیان کو مؤثر اور واضح کرنے کے لیے اردو، فارسی اور عربی اشعار کو بھی بیان کیا ہے۔ ان میں علامہ اقبال کے اشعار کی تعداد دیگر سے زیادہ ہے۔ ایک موقع پر پاکستانیوں کی فرنگی ذہنیت اور تقلید کے لیے علامہ اقبالؔ کا یہ شعر پڑھا۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اس طرح شیخ سعدیؒ کی گلستان، شیخ محی الدین ابنِ عربی کی فتوحاتِ مکیہ، مولانا رومؒ کی مثنوی کے لوازمے سے بھی اپنے قارئین کی تربیت اور علمی بڑھوتری کی ہے۔ ان ملفوظات کی اہمیت اور قدر میں اضافے کا ایک سبب ان میں بیان کردہ کچھ پہلوؤں کی مرتب نے حواشی میں تشریح اور وضاحت دے کر، اس کی علمی اور تاریخی اہمیت میں اضافہ کیا ہے، جیسے خانقاہ قادریہ سے جاری ہونے والا رسالہ محراب و منبر کی ابتدا کا ذکر (۹۷) مختصر کتابچہ "گیارہویں نامہ" کی اشاعت، جس میں منظوم اور منثور انداز میں گیارہویں شریف کی نیاز و فاتحہ کو بیان کیا گیا ہے۔(۹۸) اسی طرح اپنے جدِّ امجد مولانا غلام رسول القادریؒ کے بارے میں کہ انھوں نے لفظ "قائداعظم" سب سے پہلے ۱۹۲۳ء میں اپنی ایک دعائیہ نظم میں استعمال کیا تھا۔ شعر یہ تھا

"دغدغے مٹ جائیں سارے عالمِ اشرار کے
قائدِ اعظم کی قوّت جب سرِ اظہار ہو(۹۹)

اِن ملفوظات کے مطالعے سے سالک کو عاجزی، مسلسل لگن، صبر، قناعت، وقت کی قدر، انسانیت کی تعلیم اور نیکی کی ترغیب ملتی ہے۔ معرفت کے نکات کی تفہیم ہوتی ہے۔ مثالوں کے ذریعے سمجھانے کا انداز کئی مقامات میں نظر آتا ہے۔ شعبان کے مہینے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح موسیٰؑ کو عصا ثعبان مبین (ث ع ب ان) دیا جو اژدھا بن کر جادوگروں کے سانپوں کو کھا جاتا، اسی طرح حضور ﷺ کو اللہ نے شعبان (ش ع ب ان) کا مہینا دیا، جس میں کی جانے والی نیکیاں گناہوں اور برائیوں کو کھا جاتی ہیں۔(۱۱۰) ایک مجلس میں اپنی طبیعت کی ناسازی کا ذکر کرتے فرمایا کہ طبیعت تو نہیں چاہتی کی منبر پر بیٹھوں، یہ بغاوت اور سرکشی کر رہی ہے مگر اللہ کے ہاں نیّت دیکھی جاتی ہے۔ طبیعت غدّار ہے جیسے مجاہد کا گھوڑا عین جہاد میں ساتھ نہ دے تو بغیر گھوڑے کے جہاد پر زیادہ ثواب ہے۔ ایسے ہی انسان کی طبیعت گھوڑا ہے اور اس کی نیت سوار ہے۔(۱۰۱)

ان ملفوظات میں حقیقت پسندانہ رجحانات کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ رسم و رواج کی اندھی تقلید پر تنقید بھی کی گئی ہے۔ سماج اور فرد کی ضروریات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ اُن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نذر و نیاز کا فائدہ معاشرے کو ہونا چاہیے نہ کہ صرف کھاتے پیتے افراد اور گھرانوں کو۔ اِس طرح اپنے مریدوں کو صدقہ جاریہ کی اہمیت بیان کی ہے کہ اِس نیکی کا فیض مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ نعرے بازی کے ذریعے جوش و جذبے کی بجائے آیاتِ قرآنی کی سماعت، تفہیم اور اس پر عمل کو افضل اور بے عمل رہ کر نعرہ لگانے کا کو بے فائدہ سمجھتے ہیں۔(۱۰۲) اسی طرح ایک موقع پر آپؒ کسی اہلِ حلقہ کی گیارہویں شریف میں گئے۔ دروازے پر ایک کھانے کے سائل کو دھتکارا جا رہا تھا۔ آپؒ فاتحہ پڑھ کر بِنا تناول کیے تشریف لے گئے۔ صاحبِ خانہ کو یہ نصیحت کی کہ غوث اعظمؒ کے دو لنگر ہیں، ایک بھوکے کو کھانا کھلانا اور

دوسرا بندوں کو اللہ کا راستہ دکھانا۔ یہاں محفل میں جتنے لوگ بیٹھے ہیں، یہ بھوکوں میں شمار نہیں ہوتے اور دروازے پر ایک بھوکے کو دھتکارا جارہا ہے۔ انھیں اپنی تصنیف "گیارہویں نامہ" پڑھنے کے لیے عطا کی۔(۱۰۳)"ارشاداتِ علمی" میں قارئین کی سہولت کے لیے ملفوظات کے نہ صرف عنوانات قائم کیے ہیں بلکہ ان کی فہرست بھی آغاز میں دی ہے۔ یہ کتاب قادری پبلی کیشنز کراچی نے ۱۹۹۷ء میں شائع کی ہے۔

حکیم شاہ اختر کے ملفوظات کا مجموعہ" باتیں اُن کی یاد رہیں گی "کو مولانا رضوان القاسمی نے ۲۰ عنوانات کے تحت ترتیب دیا ہے۔ یہ ملفوظات انسانی زندگی کے بیش تر پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ بیش تر موضوعات کا تعلق خانقاہی نظام سے ہے۔ ان میں ادب اور اخلاق، محبت و اطاعت، عبادت و ریاضت، اسرار و حکم، ماحول اور صحبت، سلوک و تصوّف، اصلاح و تزکیہ، ذکر و فکر، صبر و شکر ، خلوص وللّٰہیت وغیرہ شامل ہیں۔ ملفوظات کا اوّل عنوان ہی ادب اور اخلاق ہے۔ ادب کو خانقاہی نظام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ بقول خواجہ شمس الدین عظیمی؛ روحانیت کا پہلا اور آخری سبق ادب ہے۔

خانقاہی نظام سے متعلق دیگر موضوعات جن کا تعلق انسانی زندگی اور معاشرے سے ہے۔ اُن کے بارے میں بھی مولانا شاہ حکیم محمد اختر کے ارشادات و ملفوظات کو یک جا کیا گیا ہے۔ ان ملفوظات میں زندگی گزارنے کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ خوش گوار زندگی کس طرح گزاری جاسکتی ہے؟ وقت کو کس طرح کارآمد بنایا جاسکتا ہے؟ ملفوظات میں ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ ملفوظات انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مثبت تبدیلی کے لیے رہ نما ہیں۔ ملفوظات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں نہ صرف خانقاہی معاملات کے اہم نکات کو بیان کیا گیا ہے، بلکہ اُن پر فکری انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ پہلو ہی اس کتاب کا اہم محرّک ہے۔ صوفی اور اس کے تربیت یافتہ عقیدت مندوں کی خواہش ہوتی ہے کہ جس روشنی سے وہ آگاہ ہوئے ہیں، اُس سے دیگر بھی منوّر ہوں، یہی جذبہ ملفوظات کو کتابی صورت دینے کا سبب بنتا ہے۔

ملفوظات کا یہ مجموعہ خالصتاً خانقاہی ادب ہے۔ اس کے اسلوب میں ادبیت کا پہلو غالب ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کے مرتب مولانا محمد رضوان القاسمی خود اعلا شعری وادبی ذوق کے حامل ہیں۔ جس کا ایک ثبوت تو کتاب کا نام" باتیں اُن کی یاد رہیں گی "ایک بامعنی مصرع ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے موضوعات کے عنوانات بھی مصرعوں کی صورت میں ہیں۔

~ کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی(۱۰۴)
~ وہ مجھ پہ چھاگئے، میں زمانہ پہ چھا گیا جگر(۱۰۵)
~ اُف ! کتنا ہے تاریک گنہ گار کا عالم(۱۰۶)
~ ترے محبوب کی یارب شباہت لے کر آیا ہوں(۱۰۷)

ابواب کے جو عنوانات قائم کیے ہیں، کتاب میں اُن کے لیے علاحدہ ورق مختص کیا ہے۔ جس کے ایک صفحہ پر عنوان اور دوسرے پر اشعار تحریر کیے گئے ہیں، جب کہ مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب خود بھی نہ صرف ادبی و شعری ذوق رکھتے ہیں بلکہ شاعر بھی ہیں۔ اس لیے ان ملفوظات کے اسلوب میں بات کی تفہیم اور تاثیر کے لیے مختلف مقامات پر اشعار بیان کیے ہیں۔ جس سے ہمیں ان کی صوفیانہ معنویت سے آگاہی ملتی ہے۔ مولانا محمد رضوان القاسمی ''عرضِ مرتب'' میں لکھتے ہیں۔ ''حکیم صاحب کے نام کی مناسبت سے بے تکلف زبان پر یہ مصرع آتا ہے ع کچھ زمیں پر بھی چاند تارے ہیں'' (۱۰۸)

مرتب نے صاحبِ ملفوظات کے بارے میں تحریر کیا ہے:

> ''حکیم صاحب کے مواعظ و ملفوظات میں ہر جگہ عشقِ حقیقی اور محبت خداوندی کا یہ رنگ غالب ہے کہ سننے والا اور پڑھنے والا بھی اس کی حرارت محسوس کرتا ہے۔ حکیم صاحب کے اشعار میں بھی ایک خاص قسم کی اثر انگیزی پائی جاتی ہے اور دردوسوز چھلکتا ہے۔ چند اشعار بطورِ نمونہ پیش ہیں۔

تباہ ہو کہ دل تیر محرمِ غم ہے
پھر اُس کو اپنی تباہی کے غم کا کیا غم ہے
ہزار خونِ تمنّا ہزار ہا غم ہے
دلِ تباہ میں فرماں روائے عالم ہے (۱۰۹)

مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نے جس موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے، وہ واضح اور پُر تاثیر ہے۔ ادب کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ زندگی گزارنے کے بھی کچھ آداب ہیں۔ ان آداب کی وجہ ہی سے ایک انسان، حیوان سے ممتاز ہوتا ہے۔ وگرنہ انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں، اس مفہوم کی وضاحت اور ابلاغ کے لیے ایک شعر پیش کرتے ہیں۔

ادب ہی سے انسان انسان ہے
ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے

علما کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ آج کل یہ احساس کمتری کا شکار ہیں اور دنیا کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں، حال آں کہ اُن کے پاس علم کی دولت ہے، پھر اس کی مثال میں ایک فارسی کا شعر پیش کرتے ہیں۔

”بر خود نظر کشا، ز تہی دامنی مرنج

در سینۂ تو ماہِ تمامے ہادہ اند

”شاعر ہلال یعنی پہلی کے چاند کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تم اپنے اوپر نگاہ کرو اور ابھی جو تمھارا دامن خالی ہے اُس پر رنج مت کرو، اس حقیقت پر تو نظر کرو کہ تمھارے سینے میں بدرِ کامل چھپا ہُوا ہے۔“ (۱۱۰)

حکیم صاحب کے اسلوب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جہاں فارسی شعر بیان کرتے ہیں، اُس کی تشریح ضرور فرماتے ہیں تاکہ فارسی سے ناواقف افراد اُس کی تفہیم کر سکیں، نیز کوئی مشکل لفظ آجاتا ہے تو اُس کے معنی بھی بیان کر دیتے ہیں۔ جیسا مذکورہ بالا شعر میں لفظ ”ہلال“ آیا تو اُس کے معنی ”پہلی کے چاند“ بیان کر دیے ہیں۔

ملفوظات کا مجموعہ ”باتیں اُن کی یاد رہیں گی“ یوں تو مکمل ہی خانقاہی رجحانات کا عکاس ہے مگر کچھ باریک اور اچھوتے نکات جو خانقاہی مزاج کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس میں دکھائی دیتے ہیں۔ ادب جو خانقاہی نظام کی روح ہے۔ اس حوالے سے ادب اور اخلاق کے عنوان میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ ”الا مر فوق الادب“ پر مشائخ کا اتفاق ہے مگر غلبۂ حال کے سبب بندہ اس عمل سے معذور ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں احادیث کا تذکرہ ہے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنی موجودی میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے نماز پڑھانے کا حکم فرمایا مگر ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، آپؓ نے فرمایا کہ ”ابو قحافہ کے بیٹے کے لائق یہ بات نہیں کہ، آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے نماز پڑھائے، غلبۂ فنائیت اور عبدیت سے اپنا نام نہیں لیا، ابنِ ابی قحافہ سے تعبیر فرمایا، ابو قحافہ آپؓ کے والد تھے۔ (۱۱۱)

اِسی ضمن میں صلح حدیبیہ کا واقعہ بھی بیان فرمایا کہ جب کفار نے صلح نامے پر دستخط کرنے کے لیے یہ شرط عائد کی کہ آپ ﷺ کے نام میں سے رسول کا نام حذف کیا جائے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ میرے نام میں سے رسول کا نام مٹا دو، تو آپؓ نے عرض کیا کہ ”خدا کی قسم مَیں آپؐ کو نہ مٹاؤں گا۔“ یہ نہیں فرمایا کہ آپ کا نام نہیں مٹاؤں گا۔ آپ ﷺ اور ان کے نام کی عزت و توقیر اور ادب کا اس قدر غلبہ تھا۔ (۱۱۲)

صاحبِ ملفوظ کی عصرِ حاضر پر گہری نگاہ ہے۔ وہ مغربی نظامِ تعلیم اور تہذیب کی مضر اثرات سے آگاہ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ زہر نوجوانوں میں تشکیک اور الحاد کے بیج بو رہا ہے، ان کی اصلاح کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”ضرورت ہے اُس زبان و بیان میں انھیں سمجھا کر خدا سے قریب کیا جائے، جس زبان و بیان کے سمجھنے کے عادی ہیں۔ ہر شخص کے مناسب حال گفتگو کرنا اور علمِ نبوت سے اس کے دماغ

کو روشن کر کے اُسے راہِ راست پر لانے کی بر موقع تدبیر اختیار کرنا یہی "حکمت" ہے اور یہ حکمت بزرگوں کی صحبت سے خوب سمجھ آتی ہے۔"(۱۱۳)

فنی پہلو سے ملفوظات کو دیکھتے ہیں تو ان میں موجود لوازمہ پُر تاثیر ہے۔ اصلاح اور ابلاغ کے لیے مختصر واقعات اور مثالیں بیان کی ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں:

"ترقّی کی دو قسمیں ہیں: ظاہری ترقّی اور حقیقی ترقّی۔ اللہ سے غافل ہو کر جس ذریعے اور جس طریقے سے بھی ترقی کی جائے وہ ظاہری ترقی ہو گی، حقیقی اور اصلی ترقّی وہ ہے جو اللہ سے تعلق قائم کرتے ہوئے کی جائے، اسے ایک مثال سے سمجھیے:

ایک شخص مغزیات کا استعمال کرے، بادام اور میوے خوب کھائے، یقیناً اس سے اس کا جسم فربہ ہو گا اور صحت مند اور تندرست ہو گا، لیکن ایک شخص وہ ہے، جس کا جسم مقویات کے استعمال سے نہیں بلکہ ضربِ شدید یا کسی بیماری سے ورم کر جائے، ان دونوں جگہ جسم کی ترقّی ہے مگر پہلی ترقی حقیقی ہے اور دوسری ترقی ہائے ہائے والی ہے۔"(۱۱۴)

ملفوظات میں کہیں کہیں تحقیقی انداز بھی نظر آتا ہے اور پیراگراف اور صفحے اقتباس کے طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ یہ مرتب کی سعی ہے۔ جس سے ملفوظات کا اسلوب اور فنی پہلو کم زور ہوا ہے، کیوں کہ ملفوظات عموماً کسی مجلس میں بیان کردہ ارشادات اور غیر رسمی گفتگو ہوتی ہے۔ اس میں طویل نثری اقتباس کی گنجائش کم ہوتی ہے۔(۱۱۵)

مرتب مولانا محمد رضوان القاسمی نے جہاں اپنے خیالات اور عبارت تحریر کی ہے، اُس سے قبل لکھ دیا ہے کہ "مرتب عرض کرتا ہے۔"(۱۱۶) اسی طرح جہاں مرتب نے خود اشعار شامل کیے ہیں وہاں شعر کے سامنے لکھ دیا ہے "پیش کردہ مرتب" (۱۱۷) یہ مرتب کی حقیقت پسندی ہے۔ مرتب نے حکیم صاحب کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ان کا تذکرہ بھی "عرض مرتب" میں بیان کر دیا ہے، اس مسوّدے کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ یہ پورا مسودہ صاحبِ ملفوظات کی نگاہوں سے گزرا ہے۔(۱۱۸)

مولانا محمد رضوان القاسمی کے مرتب کردہ، شاہ حکیم محمد اختر کے ملفوظات "باتیں اُن کی یاد رہیں گی "کو کتب خانۂ مظہری کراچی نے پہلی مرتبہ ۱۹۹۷ء میں شائع کیا۔

رسالہ " کلماتِ خیر "شاہ اکرام حسین سیکریؒ کے اقوال زریں کا انتہائی مختصر مجموعہ ہے جو صرف دس صفحات پر مشتمل ہے۔ اِن میں اشاعتی معلومات اور پیش لفظ کے صفحات شامل نہیں ہیں۔ اِن اقوال کی خاص صفات یہ ہے کہ ان میں سے بیش تر کا تعلّق براہِ راست

اسلامی تعلیمات یا صوفیانہ نقطۂ نظر سے نہیں ہے۔ یہ زیادہ تر مصنف کے تجرباتِ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں کچھ ایسے ہیں، جن کے بارے میں مختلف آرا ہو سکتی ہیں۔ جسے آگے بیان کیا جائے گا۔ ان میں ایسے اقوال بھی ہیں، جن کا براہِ راست تعلّق اسلامی اور خانقہی فکر سے ہے۔ موجودہ عہد میں جب کہ افراد کا تعلق مطالعے سے کم ہوتا جارہا ہے، اس صورت میں ایسے کتابچے ہی فرد اور معاشرے کی اصلاح اور بہتری میں معاون ہو سکتے ہیں۔ زیرِ بحث کتابچہ بھی اس خوبی کا حامل ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی فرد کو دومنٹ کی بھی فرصت ملے اور وہ اس کتابچے سے استفادہ کر سکتا ہے اور ایسا نکتہ پا سکتا ہے جس سے زندگی میں مثبت تبدیلی رونما ہو سکتی ہے۔

اس کتابچے کا پہلا ملفوظ ہی فانی زندگی سے متعلق ہے۔ جس میں انسان کو زندگی پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے اور اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنے کی تبلیغ کی گئی ہے۔ پھر نمود و نمائش، غرور سے پرہیز اور سادگی و عاجزی، مخلوق سے محبت اور اس کی خدمت کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسی ملفوظ میں قبرستان جانے اور موت کو یاد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ علاوہ ازایں اختتامیہ صفحات پر بھی اللہ کی عبادت، حضور ﷺ کی اطاعت اور خلقِ خدا کی خدمت کا درس دیا ہے اور اِسے ذریعۂ نجات قرار دیا ہے۔(۱۱۹)

ان اقوال کے موضوعات میں صحت سے متعلق بہ نسبت زیادہ ملفوظات ہیں۔ ایک مقام پر لکھا گیا ہے کہ "زندگی میں سب سے بڑی نعمت صحت ہے۔ اپنی صحت کی حفاظت کو سب کاموں پر ترجیح دو، دین اور دنیا کے تمام فوائد اور لذتوں کے حصول کا ذریعہ صحت ہے۔ اپنی اور دوسروں کی صحت کو بیماری سے بچانا ایک بہت بڑی اور نہایت اعلا سعادت ہے۔"(۱۲۰) ایک اور جگہ صاف و شفاف پانی کی اہمیت بیان کی ہے۔ اسی طرح پیاز کے لیے لکھا کہ یہ بہت سی بیماریوں سے بچاتا ہے وغیرہ(۱۲۱) اچھی صحت کے بارے میں یہاں تک لکھا ہے کہ "اچھی صحت سے اچھا ایمان پیدا ہوتا ہے۔"(۱۲۲) یہی نہیں دانتوں کی صفائی پر بھی زور دیا گیا ہے۔(۱۲۳)

دنیاداری کے متعلق بھی ٹھیک ٹھاک اظہارِ خیال ملتے ہیں۔ رشتے کے لیے ہمیشہ غریب لوگوں کا انتخاب کیجیے۔ بڑے لوگوں کے ساتھ رشتہ کرنے پر بہت سی پریشانیاں ہوتی ہیں۔(۱۲۴) وہ کام جس کے کرنے کی صلاحیت آپ میں نہیں ہے، وہ مت کیجیے۔(۱۲۵) بدتمیز اور بدتہذیب ماں باپ کی بدتمیز اور بدتہذیب اولاد سے کسی خیر کی توقع ہرگز مت کیجیے، ایسی توقّع کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔" (ص ۵) مذکورہ پہلو ایسے ہیں، جنھیں ہم الہامی اور صوفیانہ تعلیمات نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ ذاتی مشاہدات یا تجربات ہو سکتے ہیں۔ رشتے کے بارے میں خاندانی برابری اور رتبے کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے تاکہ ذہنی ہم آہنگی ہو۔ یہ بھی عام مشاہدے کی بات ہے کہ غریب خاندان کے افراد سے رشتے بھی ناکام ہو جاتے ہیں اور امیر گھرانوں میں کیے ہوئے رشتے کامیابی سے چل رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح صرف انھیں کام کو کرنے کی تلقین، جس کی صلاحیت انسان میں موجود ہو، عام رویّے کو ظاہر کرتا ہے لیکن بڑے لوگ ،بڑے عزم کی بنیاد پر وہ کام کر جاتے ہیں، جس کو دیکھ کر دنیا حیران رہ جاتی ہے۔ کیوں کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ہر صلاحیت رکھی

ہے۔ جسے چاہے بیدار کرے، جس چاہے خوابیدہ رہنے دے۔ اسی طرح بدتمیز اور بد تہذیب اولاد کسی شریف آدمی کی بھی ہو گی تو وہ بھی لحاظ و مروّت نہیں کرے گی۔ جب کہ بد تہذیب والدین کی نیک اولاد بھی عمدہ سلوک روا رکھ سکتی ہے۔

عورتوں کے حقوق کا مسئلہ عالمی سطح پر پیش کیا جارہا ہے۔ آزادیٔ نسواں کی بات تعلیم یافتہ اور بعض نام نہاد مساوات پسند طبقوں کی جانب سے اُٹھائی جاتی رہی ہے۔ ہمارے معاشرے میں بھی اس کا شور سنائی دے رہا ہے۔ اس کے مثبت اور منفی دونوں اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ منفی اثرات تو یہ کہ، وہ مادر پدر آزادی کے چکّر میں گم راہ اور بے راہ روی کا شکار ہو کر اپنی عزت و توقیر کھو رہی ہیں۔ جب کہ مثبت کردار یہ کہ وہ گھر سے باہر نکل کر معاشی معاملات میں اپنے خاندان اور ملک کی معاشی ترقی میں معاونت کر رہی ہیں۔ اولاد اور بہن بھائیوں کی تعلیم و تربیت میں اپنا فریضہ انجام دے رہی ہیں۔ اکرام حسین چشتیؒ نے بھی اس پر اپنا خیال ظاہر کیا ہے جو حقیقت کی غمازی کرتا ہے ۔" عورت پر کل بھی ظلم تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔"(۱۲۷) کل کی خبر تو اللہ کو معلوم ہے مگر تاریخ کے حوالے سے ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ کبھی عورت مردوں پر حکمران رہی ہے۔ جس طرح آج مرد ہیں۔ جس تیزی سے معاشرہ تبدیل ہو رہا ہے، بالخصوص الیکٹرانک میڈیا کے اثرات نے خواتین کو جو شعور دیا ہے، اُس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عورت کی حکمرانی مراجعت کر رہی ہے۔ یہ حقیقت ہے:

> "مسلمان مردوں نے اپنی عورتوں کو وہ حقوق کبھی نہیں دیے جو ان کو اسلام نے دیے ہیں اور آئندہ بھی نہیں دیں گے، خواہ مرد کیسا ہی اسلام دوست ہو۔" (۱۲۸)

کتاب کے محرکات میں سب سے اہم تو یہ ہے کہ اکرام حسین سیکریؒ عوام الناس کو پُرسکون اور آرام دہ زندگی گزارتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ خدمتِ خلق کے جذبے کے تحت یہ ملفوظات اور اقوال ترتیب دیے ہیں۔ ان کی زندگی کے جو مشاہدات اور تجربات تھے، انھیں قرطاس پر مرتسم کر دیا ہے۔ تاکہ ہر طبقے کے افراد اور آنے والی نسلیں مسائل و مشکلات میں اس سے استفادہ کر سکیں۔ جس کا اظہار یوں کیا ہے کہ "زندگی کی پُر پیچ راہوں میں بہت سی پریشانیوں سے بچانے میں یہ رسالہ مددگار ہو سکتا ہے۔"(۱۲۹)

اس کتابچے کا اسلوب عام فہم ہے۔ زبان بھی سادگی لیے ہوئے ہے۔ جملے اور اقوال بیش تر بہت مختصر ہیں۔ جس کی مثالیں اوپر آچکی ہیں۔ شاہ اکرام حسین چشتیؒ نے ۱۹۹۹ء میں اسے تحریر کیا اور اسی سال خانقاہ عالیہ چشتیہ میرپور خاص نے شائع کیا۔

"اقوالِ زوّاریہ" مولانا سید زوّار حسین شاہؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جسے اُن کے پوتے سید عزیز الرحمن نے مرتب کیا ہے۔ کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ملفوظات یا اقوال براہِ راست سُن کر محفوظ نہیں کیے گئے بلکہ انھیں مختلف کتابوں اور تحریروں سے اخذ کیا گیا ہے۔ خانقاہی ادب میں ملفوظات بالخصوص اُن کتابوں اور تحریروں کو کہا جاتا ہے، جنھیں مرتّب صاحبِ مجلس سے خود سُن کر اپنے حافظے کی مدد سے ترتیب دیتا ہے۔ ملفوظات میں اصلاحی اور معلوماتی واقعات اور مختصر جملے جن میں حکمت سے پُر نکات

ہوتے ہیں۔ بعدازاں ثانی الذّکر کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے، مریدین اور معتقدین نے اپنے مرشدین اور اکابرین کی کتب سے ایسے علم و دانش والے جامع جملوں کا انتخاب کر کے ملفوظات اور اقوال کے نام سے شائع کرنا شروع کیے ہیں۔ زیرِ بحث کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، اس کتاب کی اہم خصوصیات میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس میں صاحبِ ملفوظات کی مختصر سوانح دی گئی ہے۔ جس سے اُن کے حالاتِ زندگی، جدوجہد، علمیت اور سیرت و کردار سے آگاہی ہوتی ہے۔ نیز سید زوّار حسین شاہؒ کے بارے میں عہدِ حاضر کے اہم مشائخ و علما کی آرا بھی شاملِ کتاب ہیں۔ اِن میں ڈاکٹر غلام مصطفٰی خانؒ، مولانا عبدالخلیل خان محمد، مفتی عتیق الرحمن عثمانی، مفتی ولی حسن، مولانا یوسف لدھیانویؒ اور ثناالحق صدیقی شامل ہیں۔ ان آرا سے زوّار حسین شاہ صاحب کے علمی رتبے سے شناسائی ہوتی ہے۔ اِس کتاب میں جن اقوال کو زیبِ قرطاس کیا ہے، انھیں عنوان بھی دیا گیا ہے۔ اِن اقوال میں شریعت و طریقت کے اہم موضوعات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ ہر موضوع پر عموماً دو یا تین اقوال دیے گئے ہیں۔ جن سے اُس موضوع کے اہم نکات سے آگہی اور فہم میں آسانی ہوتی ہے۔ کتاب کے ابتدائی موضوعات میں، جن کا بیش تر تعلق شریعت سے ہے۔ ان موضوعات میں اسلام، تخلیقِ آدمؑ، بعثتِ انبیا کا مقصد، حضور اکرم ﷺ، توحید۔ وضو، نماز، دعا، زکات، روزہ، حج، قرآنِ کریم وغیرہ شامل ہیں۔ ان موضوعات کی ترتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ خانقاہی نظام میں شریعت کو اُس قدر ہی اہمیت دی جاتی ہے، جس قدر علمائے ظاہر کے ہاں ہے۔ منکرینِ تصوّف کے اُن الزامات کی تردید بھی ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ صوفی شریعت کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔

سید زوّار حسین شاہؒ کے اسلوب کی خصوصیات میں سادگی، دل نشینی اور اختصار پسندی ہے۔ اِن صفات سے تاثر میں اضافہ ہوا ہے۔ زیرِ بحث کتاب میں عام فہم الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے اسلوب میں روانی پیدا ہوئی ہے۔ جملے مختصر ہیں۔ ادبی رنگ نمایاں ہے۔ بات کی تاثیر اور توضیح کے لیے تشبیہات کا استعمال بھی جا بجا کیا گیا ہے۔ مثال دیکھیے:

> "قرآنی علوم کی وسعت و کثرت کی کوئی حد و انتہا نہیں اور ہماری زندگی کا کوئی گوشہ اس کی رہ نمائی سے محروم و تشنہ نہیں۔ عقائد ہوں یا معاملات و عبادات، قرآن مجید ہماری پوری پوری رہ نمائی فرماتا ہے۔" (۱۳۰)

مذکورہ اقتباس اختصار اور جامعیت کی عمدہ مثال ہے۔ اس میں بیان کردہ تین الفاظ عقائد، معاملات اور عبادات؛ انسان کی تقریباً پوری زندگی پر محیط ہیں۔ عقائد میں انسانی افکار اور نظریات آ جاتے ہیں۔ جن پر اُس کا ایمان و یقین ہوتا یا نہیں ہوتا ہے۔ معاملات میں وہ تمام اعمال آ جاتے ہیں جن کا فرد سے فرد اور فرد کا سماج سے تعلق ہوتا ہے۔ اس طرح عبادات میں انسان کا اپنے ربّ سے ربط شامل ہوتا ہے۔ اختصار اور جامعیت کی ایک مثال "تقوے" کے موضوع میں دیکھیے۔ چند الفاظ میں ایک کتاب کا مفہوم پیش کر دیا ہے۔

”تقویٰ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اُس کام کے کرنے سے بچائے، جس کے سبب سے وہ عذاب کا مستحق ہوتا ہے، خواہ وہ چیز کرنے کی ہو یا چھوڑنے کی۔“ (۱۳۱)

قرآن کے موضوع پر ادبی اسلوب کی ایک جھلک اور دیکھیے۔”قرآن مجید کی مثال ایک بحرِ ناپیدا کنار سے دی جاسکتی ہے۔سمندر میں ہر قسم کا آدمی غوطہ لگا سکتا ہے لیکن ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اس فوائد حاصل کرتا ہے۔(۱۳۲)ذکر اللہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ“ جس طرح مچھلی جب پانی سے جدا ہوتی ہے، خشکی کا جانور جب پانی میں جاگرتا ہے اور جنگلی جانور پنجرے میں بند کر دیا جاتا ہے تو اس کو اضطراب لاحق ہو جاتا ہے۔اِسی طرح اللہ کی یاد سے غافل دل بھی مضطرب و بے قرار رہتا ہے۔“(۱۳۳)

سید زوّار حسین شاہؒ تبلیغ کی اہمیت، اس کے طریقہ کار اور مبلغ کی صفات سے گہری آگاہی رکھتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ تبلیغ کے لیے ضروری ہے کہ مبلغ معروف ومنکر سے پوری طرح اور صحیح واقفیت رکھتا ہو۔کیوں کہ کم علمی کی بنیاد پر دی جانے والی دعوت اصلاح کی بجائے فساد کا سبب بن جائے گی۔سبب یہ ہے کہ کم علمی بے یقینی اور انتشار کا باعث ہوتی ہے۔منتشر خیال مبلغ پُر سکون ذہن تیار نہیں کر سکتا۔موجودہ دور کا یہ المیہ ہے کہ بیش تر افراد جو تھوڑی بہت دین کی معلومات رکھتے ہیں، شریعت کے کچھ ظاہری پہلو اختیار کر کے مبلغ کے فرائض انجام دینے لگ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ذہن اور نظریاتی افراد تیار نہیں ہوتے جو عہدِ حاضر کے تقاضوں پر پورا اُترتے ہوں۔

شرعی موضوعات کے بعد تصوّف کے پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ان موضوعات میں اطمینانِ قلب، بیماریٔ دل، تصوّف، روحانیت، قلب جاری ہونا، مراقبہ، کرامات، کشف اور دیگر شامل ہیں۔ان موضوعات کے مطالعے سے صوفیانہ نظام کے بارے میں حقیقت پسندانہ، تحقیقی اور منطقی نظریات کا پتا چلتا ہے۔خانقاہی نظام سے وابستہ افراد کو اِن نکات پر غور وفکر کرنا چاہیے۔”صوفیا کے تذکرے“ میں آپ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جس طرح تاریخی واقعات کا درجہ احادیث سے کم تر ہے، اُسی طرح تذکروں کا معاملہ تاریخ سے بھی کم تر ہے۔اس لیے صوفیوں کے تذکروں کو تصوّف کا معیار قرار نہیں دیا جاسکتا۔(۱۳۴) نیز کرامات کے بارے میں سید زوّار حسین شاہؒ کا خیال واضح ہے کہ”کرامات اس وقت کہلائے گی جب کہ وہ کسی سنّت کی پیروی کرنے والے اور پرہیز گار مومن آدمی سے ظاہر ہو۔“ (۱۳۵) ”ولی“ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ ولایت کے لیے کرامت کا پایا جانا یا ظاہر ہونا ضروری نہیں اور نہ خوارق کا کثرت سے ہونا فضیلت کا سبب ہے۔“(۱۳۶) بلکہ رضاے الٰہی کا دارومدار رسول اللہ ﷺ کے اتباعِ کامل پر موقوف ہے۔سماجی حوالے سے، سادگی (۱۳۷) اور امن کے داعی (۱۳۸) موضوعات اہمیت کے حامل ہیں۔قرآن کی ادبی اہمیت کا ذکر بھی اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔لکھتے ہیں:

”قرآن مجید عربی ادب کا بہ ترین شاہ کار ہے اور کامل ترین معیار ہے۔ اس مقدّس کتاب کو نازل ہوئے تقریباً چودہ سو سال گزر چکی ہیں، لیکن اس کے بیان کی تر و تازگی، الفاظ و معانی کی صدا بہاری آج تک قائم ہے اور قیامت تک رہے گی۔“(۱۳۹)

قرآن کا دیگر ادبی شاہ کاروں سے موازنے کے انداز میں اُن کا خیال ہے کہ ہر کتاب کے الفاظ، محاورے اور اصطلاحیں متروک ہوتے رہتے ہیں مگر قرآن کے الفاظ تو الفاظ، ایک شوشہ بھی متروک نہیں ہُوا۔ بلکہ ”اس گل دستۂ رسالت کا ایک پتا بھی خزاں رسیدہ نہیں ہُوا اور یہ قیامت تک سرسبز و شاداب رہے گا۔“(۱۴۰) الغرض فرد کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے لیے یہ ملفوظات بہت معاون ہیں۔

سید عزیز الرحمن کے مرتب کردہ، سید زوّار حسین شاہؒ کے ملفوظات کے مجموعے 'اقوالِ زوّاریہ' کو اکتوبر ۲۰۰۰ء میں زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی سے شائع کیا گیا۔

” سوغاتِ مجدّدی “مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے اقوال پر مشتمل کتاب ہے۔ یہ اقوال مکتوبات مجددیؒ سے سید عزیز الرحمن نے اخذ کر کے ترتیب دیے ہیں۔ اِن اقوال کو مرتب کرنے کا اوّلین محرک مجدّد الف ثانیؒ کی تعلیمات کو اُن ہی کے الفاظ یا مفہوم میں عوام النّاس تک پہنچانا ہے۔ شریعت و طریقت کے مدعیوں یا حامیوں کے مباحث سے ان میں جو باہمی دوری اور تفاوت کا گمان ہونے لگا ہے۔ اُس بدگمانی کو رفع کرنا بھی اس کتاب کا مقصود ہے۔ اس کتاب کا ایک محرّک سلسلہ نقشبندیہ کا مختصر تعارف، طریقۂ کار اور اِس کا شریعت و طریقت کے علمی معاملات میں نقطۂ نظر پیش کرنا بھی ہے۔(۱۴۱)۔ یہی نہیں سلسلہ نقش بندیہ میں بدعت کے رجحان کو کم کرنا بھی ان اقوال کا موجب ہے۔ جس کا اظہار موتب نے یوں کیا ہے۔ ”آج جب کہ بدعات کا دور دورہ ہے اور تصوّف میں نت نئی باتیں پیدا کر کے شریعت کے مقابل کیا جارہا ہے، اِن باتوں سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ بھی محفوظ نہیں۔“ (۱۴۲)

سوغاتِ مجدّدی میں مکتوبات کے جو اقتباسات منتخب کیے ہیں، انھیں مضمون کے اعتبار سے عنوانات دیے ہیں۔ یہ اقتباسات مختصر ہیں مگر اِن میں مکمل مفہوم ہے۔ ہر موضوع پر چار چار پانچ پانچ اقوال یا اقتباسات ہیں۔ جس سے موضوع کے کئی پہلوؤں کی تفہیم ہو جاتی ہے۔ اِن اقوال کے مطالعے سے کئی مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اقوال مخصوص نقطۂ نظر کے ترجمان ہیں۔ اِن میں خانقاہی نظام میں رائج کئی پہلوؤں سے اختلاف دکھائی دیتا ہے۔ ان میں سے ایک کشف ہے۔ جس کے بارے میں یہ نکتہ پیش کیا گیا ہے کہ بعض مرتبہ قوتِ متخیلہ کے تصرّف سے بھی احکام غیر صادقہ کشف میں صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس میں شیطان کا عمل دخل نہیں ہوتا۔ حتّیٰ کہ آپ ﷺ کے خواب میں دی گئی ہدایت بھی اس میں شامل ہیں۔ اگرچہ کہ اس کا اقرار کیا گیا ہے کہ شیطان کا عمل دخل اس میں نہیں ہوتا۔(۱۴۳) بدعت کے بارے میں بیان کیا ہے کہ طریقت میں بدعت سے فیوض برکات کی راہ بند ہو جاتی ہے(۱۴۴) اور بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانے کا باعث ہے۔ اس ضمن میں علما کو بدعت کو حسن کہنے کی ممانعت بھی ملتی

ہے۔(۱۴۵) جب کہ سلسلہ نقشبندیہ ہی کے بزرگان میں ایک طبقہ بدعتِ حسنہ کی اصطلاح کو درست جانتا ہے۔ جس کا ذکر مرتب نے بھی کیا ہے، جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ شفاعت کے بارے میں یہ نقطہ بیان کیا گیا ہے کہ شفاعت صرف ان کی ہو گی جو پسندیدہ عمل کریں گے۔ صرف اُن لغزشوں پر شفاعت ہو گی جو شریعت کے اتباع کے دوران ہوئی ہوں۔(۱۴۶)

کتاب میں خانقاہی اثرات نمایاں ہیں۔ خانقاہیت کا ایک اہم ترین مقصد رضائے الٰہی ہے۔ جس کے حصول کے لیے سالک ریاضتیں کرتا ہے۔ یہ رضاے الٰہی کیا ہے؟ اِس حوالے سے ”رضائے مولیٰ“ کے عنوان سے دفترِ دوم کے مکتوب ۸ سے یہ اقتباس پیش کیا ہے۔

> ”بندۂ مقبول وہ ہے، جو اپنے مولیٰ کے فعل پر راضی ہو اور جو شخص اپنی رضا کے تابع ہے، وہ اپنا بندہ ہے، اگر مولیٰ بندے کی گردن پر چھری چلائے تو بندے کو چاہیے کہ اس وقت شاداں وخنداں رہے اور مولا کے اس فعل کو اپنی رضا مندی سمجھے، بلکہ اس فعل سے لذت حاصل کرے، اور اگر نعوذ باللہ اس کو اس فعل سے کراہت معلوم ہو اور اس کے سینے (دل) میں تنگی پیدا ہو تو وہ دائرہ بندگی سے دُور اور قربِ مولا سے مہجور و دور کردہ ہے۔“(۱۴۷)

پھر اسی موضوع کو اختصار اور مزید آسان انداز میں یوں بیان کیا کہ اللہ کی بھیجی ہوئی بلا اور فیصلے پر صبر، اطاعت پر ثابت قدمی اور نافرمانی سے بچنا ضروری ہے۔(۱۴۸) صحبت کی اہمیت اور اس کے آداب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ تصوّف، سلوک کا مقصد اور شریعت وطریقت وغیرہ کے موضوعات پر بھی اہم نکات بیان کیے گئے ہیں۔

سید عزیز الرحمان نے کتاب کے آغاز میں مجدّد الف ثانیؒ کے حالاتِ زندگی پیش کر کے کتاب کی وقعت میں اضافہ کیا ہے۔ زبان وبیان کو عام فہم بنانے کی سعی نظر آتی ہے۔ جس کا اظہار مرتب نے آغاز میں کیا ہے۔ عنوانات بھی جامع ہیں، تحقیقی انداز بھی ہے اور ہر قول کا حوالہ دیا گیا ہے۔ حضرت زوّار حسینؒ کے ترجمہ کردہ مکتوبات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جس کا تذکرہ بھی پیش لفظ میں کیا ہے۔ مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے اقوال کا مجموعہ ” سوغاتِ مجدّدی “ ۲۰۰۱ء میں زوّ ار اکیڈمی پبلی کیشنز کے زیرِاہتمام زیورِطباعت سے آراستہ ہُوا۔

”جواہرِ مسعودیہ“ ڈاکٹر محمد مسعود احمدؒ کے ۶۲۱ ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جسے پروفیسر حافظ سید مقصود علی سابق پرنسپل گورنمنٹ پاکستان کالج خیر پور میرس سندھ نے مرتب کیا ہے۔ جامعِ ملفوظات نے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ”آپؒ [ڈاکٹر محمد مسعود احمدؒ] کے ملفوظات میں شبنم کی سی ٹھنڈک ہے، پھولوں کی سی مہک ہے اور ستاروں کی سی چمک ہے۔ یہ تمام خوبیاں آپ کی نگارشات میں نقطۂ عروج پر نظر آتی ہیں۔“ (۱۴۹) اس بات سے یہ نکتہ عیاں ہوتا ہے کہ کتاب میں آپؒ کے ملفوظات ہی پیش کیے گئے ہیں نہ کہ کتب سے لو ازمہ لیا گیا ہے مگر، اِن مجالس یا نشستوں اور ان کے شرکا کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ جہاں اور جن کے سامنے یہ قیمتی جواہر بکھیرے گئے تھے۔

ملفوظات کا اہم محرک کا تذکرہ تو پیش لفظ میں کیا گیا ہے کہ " اگر ہم چاہتے ہیں کہ خوبیاں عام ہوں، بھلائیوں اور نیکیوں کی بالا دستی ہو، لوگ ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کی دولت سے مالا مال ہوں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ سے تعلق مضبوط کریں، ان کے ملفوظات و ارشاداتِ عالیہ سے استفادہ کریں۔ "(۱۵۰) گویا یہ ملفوظات بزرگوں سے تعلقات کو مستحکم اور برقرار رکھنے کی ایک سعی ہے۔ بزرگوں سے صحبت کا ایک ذریعہ اُن کا ذکر، اُن کی یادیں اور کتب کا مطالعہ بھی ہیں۔ صحبت کی تاثیر مسلم ہے۔ بقولِ ڈاکٹر محمد مسعود احمدؒ "صحبت سے انسان بنتا، بگڑتا ہے "(۱۵۱)

دوسرا پہلو جو خانقاہی ادب کا ایک اہم محرک ہوتا ہے، وہ اس نیک کام کو اپنے لیے آخرت میں بھلائی کا ذریعہ بھی سمجھتے ہیں، اس لیے اختتامِ پیش لفظ میں لکھا ہے کہ "مولائے کریم اس دولتِ بے کراں کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر ہماری اخروی نجات کا توشہ بنادے۔ "(۱۵۲)

ان ملفوظات کی اہمیت کے بارے میں مرتب کا قول ہے کہ یہ ملفوظات اور ارشادات حضرتِ مسعودِ ملت ؒ کی حیاتِ مقدسہ کا نچوڑ ہیں۔ بلاشبہ اس کتاب میں ڈاکٹر محمد مسعود احمدؒ کے مختصر مختصر اقوال اور ملفوظات ہیں۔ زندگی اور آخرت کے بہت سے اہم پہلوؤں پر حکیمانہ اظہارِ خیال کیا گیا ہے جو بیش تر فوری تفہیم میں آجاتے ہیں اور جو فکری گہرائی لیے ہوئے ہیں، ان کے مطالعے سے ذہن کے خوابیدہ دریچے وا ہوتے ہیں اور عقل و دل نئی منازل سے آشنا ہوتا ہے۔ ملفوظات کی ابتدا اللہ کے بابرکت نام سے کی گئی ہے۔ جس سے جامع کے ظاہری اور باطنی افکار کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ابتدائی تین ملفوظات میں اللہ کے خوف کا ذکر نئے نئے انداز سے کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

> "(۱) اللہ کا خوف زندگی کو متوازن بناتا ہے۔ (۲) مولا کا خوف بندے کو دل دار بناتا ہے۔ (۳) جو اللہ سے نہیں ڈرتا سب سے ڈرتا ہے، جو اللہ سے ڈرتا ہے، کسی سے نہیں ڈرتا۔ "(۱۵۳)

فرد کی تربیت پر کئی ملفوظات ہیں۔ فضول خرچی کے بارے میں لکھا کہ یہ مہنگائی کو جنم اور قرض کا عادی بناتی ہے۔ (۱۵۴) اسی طرح چند بری عادات کے بارے میں فرمایا کہ چغلی کی عادت فساد اور ٹوہ لگانے کی عادت پریشاں خیالی کو جنم دیتی ہیں۔ (۱۵۵) فرد کی تین قسمیں بیان کی ہیں ایک بگڑا ہوا، ایک سنورا ہوا اور تیسرا، وہ سنورا ہُوا جو دوسروں کو بھی سنوارتا ہے۔ (۱۵۶) "آرزوؤں کو ڈھیل دی جائے تو سرپٹ دوڑتی ہیں۔ " (۱۵۷) اچھی عادتیں انسان کو خوب صورت بناتی ہیں۔ (۱۵۸)

موجودہ عہد میں عظیم بننے اور نام نہاد سماجی مرتبہ پانے کی دوڑ نے جو رشک و حسد کی آگ جلائی ہے، جس میں پورا معاشرہ جل رہا ہے۔ ہر فرد دولت، جاگیریں، لاکھوں روپے کی کاریں اور ہزاروں روپے اپنے سکون کے لیے حاصل کر رہا ہے۔ ان سب اشیا کے بارے میں فرمایا کہ: "یہ سب وجود سے الگ ہیں۔۔۔ عظیم وہ ہے، جس کا کردار عظیم ہے، یہ عظمت وجود کے اندر ہے۔ " (۱۵۹) انسان کو عالمی سطح پر

غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے لکھا کہ جانور اور پرندے ایک دوسرے ملک کی فضاؤں میں آتے جاتے ہیں، یہ پاس پورٹ اور ویزے کب سے بننے لگے ہیں انسان ایک دوسرے سے کیوں اتنا بیگانہ اور خود غرض ہو گیا ہے۔(۱۶۰)

روحانیت اور صوفیانہ پہلو بھی ان ملفوظات کا ایک خاص حصّہ ہیں۔ جیسا کہ تصوّف کی بنیاد اخلاص ہے۔اس بارے میں فرمایا کہ "اخلاص عمل کی جان ہے۔" (۱۶۱) انسان سازی وقت کی اہم ضرورت ہے۔(۱۶۲)ذکر الٰہی کی اہمیت اور اس کے فکری پہلو کو یوں نمایاں کیا کہ "نام کا جپنا ذکر نہیں، نام کا دل میں جم جانا اور فکر شعور پر چھا جانا ذکر ہے۔" (۱۶۳)اسی طرح تن کی صفائی سے زیادہ من کی صفائی پر زور دیا۔(۱۶۴)

الغرض ایک ایک ملفوظ زندگی کے ظاہری و باطنی پہلو کو جِلا دیتا ہے بشرطے کہ دل اسے محبت کے ساتھ مطالعہ کرے اور قبول کرے۔یہ ملفوظات ایک سمندرِ بے کراں ہے۔ جس میں جتنی غوطہ زنی کی جائے، اس قدر ہی بے بہا دُرّ حاصل ہوں گے۔ ان ملفوظات کی سب سے اہم خاصیت اختصار ہے۔جیسا کہ اقوال زرّیں میں ہوتا ہے۔ یہ خوبی از دل خیزد بر دِل کے مصداق ہے۔ عام فہم الفاظ، دل نشیں انداز، بیان میں روانی، اسلوب کے حسن میں دوچند اضافے کرتے ہیں۔ اسلوبِ بیان میں تکرارِلفظی سے بھی بات میں حسن اور تاثیر پیدا کی گئی ہے۔ اسلوبِ بیان ملاحظہ ہو:

"کسی کو کچھ اچھا لگتا ہے، کسی کو کچھ اچھا لگتا ہے، آخر اچھا ہے کیا؟---اچھا وہی ہے جو اللہ و رسول ؐ کو اچھا لگتا ہے۔ "(۱۶۵)

"پھل جب تک دو مرحلوں سے نہیں گزرتا پختہ نہیں ہوتا، اس کو سایہ بھی چاہیے اور دھوپ بھی---بے شک عُسر کے بعد یسر ہے---ایک بزرگ نے فرمایا سختیوں میں جینا سیکھو ورنہ خام رہ جاؤ گے۔" (۱۶۶)

پروفیسر مقصود علی کی مرتب کردہ "جواہرِ مسعودیہ" کو ادارہ مسعودیہ کراچی نے دوسری مرتبہ ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔ پیش لفظ سے پتا چلتا ہے کہ پہلا ایڈیشن ۲۰۰۶ء میں شائع ہُوا۔

کتاب "باتیں میرے مُراد کی" ایک طرف تو خواجہ شمس الدین عظیمی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے تو دوسری طرف اس کے جامع اور مصنف ڈاکٹر مقصود الحسن عظیمی کی روحانیت میں داخل ہونے سے لے کر دیگر مراحل طے کرنے کی داستان ہے۔اسی لیے وہ مؤلف کے ساتھ مصنف بھی ہیں۔ عموماً ملفوظات کو ذوق شوق سے مطالعہ کیا جاتا رہا ہے۔ چاہے وہ مجالس کے تفصیلی بیانات ہوں، جن میں دیگر بزرگوں کے واقعات اور نصیحت آموز حکایتوں کو کسی اور کی زبانی بیان کیا ہو، یا محافل میں پیش کردہ گفتگو کو مختصراً تحریر میں لایا گیا ہو، یا اقوالِ زرّیں کی صورت میں قلم بند کیا گیا ہو۔ زیرِ بحث ملفوظات کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس میں اب تک ملفوظات کو پیش کرنے کے جو انداز

اختیار کیے گئے تھے، یہ اُن سے منفرد ہے۔ اس میں کہانی کا عنصر بھی موجود ہے اور یہ واحد متکلم کی بجائے واحد غائب کی ''اُونوشت '' (خود نوشت) ہے۔ اِن خوبیوں سے ملفوظات کی دل چسپی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ زیرِ موضوع کتاب سے قبل ملفوظات صرف شیخ کے تجربات، مطالعات، مشاہدات، نکتہ آرائیوں اور روحانی سفر کی وارداتوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ اس میں شیخ کے ساتھ نئے سالک کی نفسیات اور سفر طے کرنے کے دوران اٹھنے والے دیگر سوالات، راہ میں آنے والی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے طریقے اور خوبیاں خامیاں وغیرہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ اسی طرح مرشد کا مرید کو سفر طے کرانے کا انداز بھی اس کتاب میں شامل ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ ملفوظات جہاں سالک کی تربیت کے لیے اہمیت کے حامل ہیں، وہیں موجودہ دور کے نئے شیوخ کے لیے بھی راہ نمائی کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں اور انھیں اس قسم کے جملوں کی ادائی اور صورتِ حال سے محفوظ رکھ سکتے ہیں، جیسا کہ اس واقعہ میں ہُوا، ایک پیر صاحب کے خلیفہ ،ان کے وصال کے بعد گدّی پر بیٹھے، جب مریض آتے تو ان سے پوچھتے کہ ''پھوکا ماراں یا تویز(تعویذ) دیا''(۱۶۷) گویا یہ کتاب سالکان اور شیوخ دونوں کے لیے مفید ہے۔

کچھ سوالات کے جوابات عمومی اور رائج جوابات کے بر خلاف تو نہیں مگر اُن میں نئے پہلو پیش کیے گئے ہیں۔ فرمایا انسانی شعور کی مجبوری ہے کہ وہ مرکزیت کے لیے ایک نقطہ چاہتا ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ بنایا،ورنہ اس میں اللہ تعالیٰ تو نہیں آسکتا۔ یہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ''حجرِ اسود بھی تو ایک پتھر ہی ہے۔۔۔ حضور ﷺ نے نہ جانے کس مصلحت کے تحت اُسے بوسہ دیا تھا۔۔ ہم نے تو کبھی ایسی باتوں پر غور تو کیا نہیں۔۔۔ بس پیروی ہی میں لگے ہوئے ہیں۔'' (۱۶۸) یہ ہے وہ طریقۂ بیان بقول شاعر کچھ بھی نہ کہا اور کہہ بھی گئے۔

مرید نے تفصیلی سوال کیا، جس کا خلاصہ یہ کہ ہم تلاوت میں '' قُل '' کہ کر کس کو مخاطب کرتے ہیں؟ خواجہ شمس الدین عظیمی نے فرمایا ہم تو نقل کرتے ہیں، حضور ﷺ کی۔۔۔ گویا آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔(۱۶۹) ۔ عظیمی صاحب مریدین کی تعداد بڑھانے سے زیادہ ان کی تربیت پر بہت زور دیتے ہیں۔ لیکن راقم کے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ عموماً کوئی تنظیمی گروہ یا سلسلہ تربیت کو زیادہ عرصے بر قرار نہیں رکھ سکتا۔ وہ مریدین اور ارکان کی تعداد بڑھانے پر زور دینے لگتے ہیں۔ شاید اس امید پر کہ مستقبل میں ان کی تربیت کر دی جائے گی مگر ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ ان ملفوظات میں کچھ باتیں ایسی ہیں، جو درست معلوم نہیں ہوتیں۔ مثلاً ''بتایا کہ پورا قرآن فعلن فعلن فعل کے وزن پر ہے۔ پھر سورۂ کوثر کی تلاوت کر کے اس کی تقطیع کر کے بتایا۔ مرید نے کہا یہ تو عجیب بات معلوم ہوئی۔'(۱۷۰) جب کہ راقم کے خیال میں قرآن مختلف بحور میں ہے، جس کا تذکرہ ڈاکٹر غلام مصطفی خاں نے بھی اپنے ایک مضمون میں کیا تھا، جو ان کی کتاب'' ہمارا علم وادب'' میں شامل ہے۔ قرآن پاک کی ردھم بلاشبہ کسی بھی اعلیٰ ترین موسیقی کی دھن سے برتر اور معیاری ہے۔ اسی موسقت کے سبب یورپ کے ایک بہت بڑے موسیقار نے اسلام قبول کیا تھا۔

کتاب "باتیں میرے مُراد کی" میں جہاں فکری اور سنجیدہ باتوں کو پیش کیا گیا ہے۔ وہاں عام انسانی رویّوں اور نفسیات کا بھی ذکر ہے۔ ایک موقع پر جو مرد حضرات مرشد اور بیویوں کے رعب سے آزاد ہوئے تو ہنسی مذاق بڑھتے بڑھتے مردانہ قسم کے لطائف تک جا پہنچی، سب اس قدر ہنس رہے تھے جیسے لافنگ گیس (Laughing Gas)[جس کے استعمال سے بہت ہنسی آتی ہے۔] سونگھ لی ہو۔ ایک دو سنجیدہ افراد نے بُرا منایا۔ جب ایک شخص نے اس پر سخت ناراضی کا اظہار کیا تو سب کے چہروں پر اداسی چھا گئی یوں خوشی دکھ میں بدل گئی۔(۱۷۱) اس رویّے پر واحد غائب ہمیشہ کے مذاق سے توبہ کرتا ہے مگر مرشد کے اس قول کے یاد آنے کے بعد کہ "اگر آپ کے اندر خوشی نہیں تو خوش رہنے والا شخص بھی آپ کو اچھا نہیں لگے گا، ایسے لوگ تو ہنستے بندے کو دیکھ کر اسے گھُرک دیتے ہیں۔" (۱۷۲)

الغرض "باتیں میرے مُراد کی" کے موضوعات میں تنوّع پایا جاتا ہے، اس میں روحانیت کی ابتدائی معلومات ہیں تو گہرائی کے حامل فکری نکات بھی ہیں، مریدین کو صراطِ مستقیم دکھائی گئی ہے تو اُن پر سفر کرنے کے آسان نسخے بھی بیان کیے گئے، شریعت پر عمل کرنے کے احکامات ہیں تو موجودہ دور کے مطابق زندگی گزارنے کے طریقے بھی پیش کیے ہیں، روحانی معاملات کے سوالات کے علمی و روحانی جوابات ہیں تو اہلِ دنیا کے عقلی اِشکالات کے منطقی اور مدلل حل بھی دیے ہیں۔ فرد کی تربیت، خاندان کی خوش حالی، معاشرے کی ترقی حتّٰی کی ایک دو مقام پر سیاسی پہلو پر تبصرے بھی موجود ہیں۔ دوسروں کی اچھی بات قبول کرنے کا جذبہ دکھایا گیا ہے تو اپنی بات منوانے کا فن بھی مذکور ہے۔ ان ملفوظات میں معلومات فراہم کی ہیں تو اُن سے متعلق تشریحات بھی ہیں۔ جیسا کہ ایک موقع پر فرمایا کہ انگلینڈ میں اکثر دکانوں پر کیر یلین فوٹو گرافی کی سہولت ہے۔ وہ اور ہم زاد، جسم مثالی کی تصویر بنا کر دیتے ہیں ساتھ آپ کے مزاج کا بھی بتا دیتے ہیں کہ آپ غصّے میں ہیں یا جذباتی یا آپ کو فلاں بیماری ہو سکتی ہے۔ طاہرہ نامی خاتون کے ہیولے میں سیدھی بیم دیکھ کر دکان کی انچارج نے بتایا کہ آپ روحانی خاتون ہیں۔ وہ خاتو ن تصورِ شیخ کیا کرتیں تھیں۔ اس کے بعد خواجہ شمس الدین عظیمی کے یہ جملے غور طلب ہیں۔ ان ہی کی زبانی سنیے "یہ تو انھوں [انگلینڈ والوں] نے کہا۔۔۔ آپ نے کیا کہا؟" (۱۷۳)

کتاب کے محرکات کا تذکرہ تو کتاب میں کہیں نہیں کیا گیا۔ کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا کہ مصنف نے جو کچھ اس روحانی سفر میں حاصل کیا اور جن تجربات سے گزرا، اسے دوسروں کو آگاہی دینے کی خاطر "باتیں میرے مراد کی" کتاب کو لکھا۔ ایک روحانی آدمی جب خوش ہوتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ دیگر افراد بھی اس خوشی میں شریک ہوں، یہ جذبہ ایک بنیادی محرک ہے۔ اس کے علاوہ سلسلے سے وابستہ افراد کی ذہنی و فکری تربیت بھی اس کتاب کا محرک ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ دیگر سلاسل سے وابستہ افراد اور خود مصنف کے سلسلے کے افراد کو بھی اس میں کئی ایسے پہلو محسوس ہوں گے، جو ان کی عقل اور مزاج کے مطابق نہ ہوں۔

ان ملفوظات کی سب سے اہم خصوصیت اس کا اسلوب ہے۔ جس میں کہانی کا سا انداز ہے۔ زبان و بیاں عمومیت لیے ہوئے ہے۔ بیش تر مقامات پر اختصارِ بیان ہے۔ جملے چھوٹے اور سادے ہیں۔ چند ایک مقامات پر بات ادھوری بھی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ پیش لفظ

میں مرشد سے سہو ہو جائے تو کیا رویہّ اختیار کرنا چاہیے، اس بارے میں وضاحت نہیں ہو سکی۔(۱۷۴) مصنف نے واقعات کو جیسا دیکھا گیا ،اسی طرح پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ علمی انداز کا رعب نہیں دکھایا ہے۔ اس اسلوبِ بیان سے مرشد کے ساتھ ساتھ مرید (مصنف) کی بھی شخصیت کے کئی پہلو سامنے آ گئے ہیں۔ ایک دو مقام پر اشعار آئے ہیں جو نہ ہونے کے برابر ہیں، اگر ان ملفوظات کو دیگر ملفوظات کی طرح عنوانات دے دیے جاتے اور ان کی فہرست مع صفحات نمبر ہوتی تو اس کتاب کی وقعت میں اضافہ ہو جاتا۔ نمونۂ نثر ملاحظہ کیجیے۔

> ”فرمایا۔ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں اور کتنی عجیب بات ہے کہ ہم اپنے ہی لباس کو نوچتے کھسوٹتے رہتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کو خوش رہنا ہی نہیں آتا۔ اب آپ دیکھیں کہ عید کے دن کوئی فالتو تنخواہ نہیں لیتا، پھر بھی ہر گھر میں نئے کپڑے بنتے ہیں، اچھے اچھے کھانے پکتے ہیں۔ ہر بچےّ کی جیب میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ دراصل انسان نے خوش ہونے کا ایک دن مقرر کر لیا ہے۔ اس دن وہ خوش ہو جاتا ہے، اگر وہ سبھی دن خوش رہنا چاہے تو اللہ اس کو سب دن خوش رکھ سکتا ہے، یہ سب یقین کرنے سے ہوتا ہے۔“ (۱۷۵)

ڈاکٹر مقصود الحسن عظیمی کی کتاب ”باتیں میرے مراد کی“ کو بر خیا ایجوکیشن فاؤنڈیشن پشاور نے پہلی مرتبہ ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔

سندھ کے خانقاہی ادب میں جو ملفوظات قلمبند کیے گئے ہیں ان میں تنوع ہے۔ اِن میں ماضی کی روایات کا عکس ملتا ہے اور کہیں نئے انداز کو اپنایا گیا ہے۔ مشائخ کی کتب سے فکر انگیز، اصلاحی اور صوفیانہ نکات کو یکجا کر کے تحریر کیا گیا ہے۔ یہی نہیں غیر مسلم اہلِ دانش کے مُثبت اقوال زریں کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان ملفوظات کے اسلوب میں بھی کئی انداز برتے گئے ہیں۔ الغرض یہ ملفوظات خانقاہی ادب کا اہم سرمایہ ہے۔ جس سے مریدین، عوام الناس اور خواص ہر دور میں مستفیض ہو سکتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ اردو لغت تاریخی اصول پر، جلد ہژدہم، کراچی، اردو لغت بورڈ، ۲۰۰۲ء، ص ۶۳۷۔
۲۔ عبد المجید ﷺ۔ اے، خواجہ: ” جامع اللغات “ لاہور اردو سائنس بورڈ، طبع اوّل، ۱۹۸۹ء، ص ۱۸۶۸۔
۳۔ حفیظ صدیقی، ابو الاعجاز: ”کشاف تنقیدی اصطلاحات “ ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم ۱۹۸۵ء، ص ۱۸۷، ۱۸۶
۴۔ سید محمد ذوقی مشمولہ ”شمامۃ العنبر “ ملفوظاتِ مولانا سید شاہ وارث حسنؒ، کراچی، محفلِ ذوقیہ، اشاعت چہارم، ۲۰۰۴ء، ص ۳۴، ۳۵
۵۔ ریاض الاسلام، پروفیسر: ”صوفیانہ ادب کے لیے ایک منہاج تحقیق کی ضرورت “ مشمولہ، محمد ادریس: ”مضامینِ تصوف “ ، لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ۲۰۰۳ء، ص ۷۔
۶۔ عبد الحفیظ بلیلاوی، مولانا: ”مصباح اللغات “ ، لاہور، اسلامی اکادمی، ۱۹۸۸ء، ص ۸۷۷۔
۷۔ الضاً، ص ۸۷۷۔ ۸۔ سورۃ الحج ۴۱:۲۲۔ ۹۔ سورۃ لقمان ۳۱: ۱۲ تا ۱۹
۱۰۔ سِر الاولیا، ص ۳۱۴ بحوالہ نثار احمد فاروقی، پروفیسر: ”نقدِ ملفوظات “ نئی دہلی، مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، طبع اوّل، ۱۹۸۹ء ص ۱۷۶۔
۱۱۔ عبد الماجد دریا آبادی: ”تصوفِ اسلام “ لاہور، اسلامک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۰ء، ص ۱۱۳۔
۱۲۔ وارث حسن، سید شاہ: ”شمامۃ العنبر “، مرتب: سید شاہ محمد ذوقی، کراچی، محفلِ ذوقیہ، اشاعت چہارم، ۲۰۰۴ء، ص ۲۱۹۔

۱۳۔ الضاً، ص۲۲۳، ۲۲۲۔ ۱۴۔ الضاً، ص۸۔ ۱۵۔ الضاً، ص۱۷۔ ۱۶۔ الضاً، ص۲۰۔

۱۷۔ لضاً، ص۲۲۵۔

۱۸۔ ذوقی، سید محمد: ''تربیت العشاق'' مؤلف: شہید اللہ فریدیؒ، کراچی، محفلِ ذوقیہ، طبع ششم، ۲۰۰۷ء، ص۶۔

۱۹۔ الضاً، ص۸۶۔ ۲۰۔ الضاً، ص۹۸۔ ۲۱۔ الضاً، ص۹۴۔ ۲۲۔ الضاً، ص۸۶۔

۲۳۔ الضیاً، ص۸۹۔ ۲۴۔ الضاً، ص۱۲۲۔ ۲۵۔ الضاً، ص۱۲۳۔ ۲۶۔ الضاًص۱۰۲۔

۲۷۔ ذوقی، سید محمد: ''تربیت العشاق''، ص۱۴۳۔ ۲۸۔ الضاً، ص۲۳۸۔ ۲۹۔ الضاً، ص۳۵۰۔

۳۰۔ الضاً، ص۳۶۴۔ ۳۱۔ الضاً، ص۳۵۶۔ ۳۲۔ الضاً، ص۳۵۰۔ ۳۳۔ الضاً، ص۱۶۸۔

۳۴۔ الضاً، ص۴۱۴۔ ۳۵۔ الضاً، ص۴۶۳، ۴۶۲۔ ۳۶۔ الضاً، ص۵۹۸۔

۳۷۔ تھانوی، اشرف علی: '' مجالسِ حکیم الامت ''، مرتب: مولانا مفتی محمد شفیع، کراچی، دارالاشاعت، جنوری ۲۰۰۷ء، ص۱۷۰۔

۳۸۔ الضاً، ص۱۴۴۔ ۳۹۔ الضاً، ص۳۱۔ ۴۰۔ الضاً، ص۳۳۔ ۴۱۔ الضاً، ص۶۰۔

۴۲۔ الضاً، ص۳۵۔

۴۳۔ ابرار الحق، مولانا شاہ: ''مجالسِ ابرار ''، مرتب: حکیم شاہ محمد اختر، کراچی، کتب خانہ مظہری، سن ندارد، ص۱۱۔

۴۴۔ الضاً، ص۲۰۔ ۴۵۔ الضاً، ص۲۱۔ ۴۶۔ الضاً، ص۵۔ ۴۷۔ الضاً، ص۶۔

۴۸۔ الضاً، ص۹۔ ۴۹۔ الضاً۔ ۵۰۔ الضاً، ص۱۶، ۱۵۔ ۵۱۔ الضاً، ص۱۹۔

۵۲۔ الضاً، ص۲۴۔ ۵۳۔ الضاً، ص۲۵۔ ۵۴۔ الضاً، ص۳۰۔ ۵۵۔ الضاً، ص۱۔

۵۶۔ الضاً، ص۱۵۵۔ ۵۷۔ الضاً، ص۱۲۹۔ ۵۸۔ الضاً، ص۲۳۳۔ ۵۹۔ الضاً، ص۲۵۵۔

۶۰۔ الضاً، ص۳۳۶۔ ۶۱۔ الضاً، ص۳۹۳۔ ۶۲۔ الضاً، ص۴۰۹۔ ۶۳۔ الضاً، ص۴۹۳۔

۶۴۔ الضاً، ص۵۱۰۔ ۶۵۔ الضاً، ص۵۲۵۔ ۶۶۔ ایضاً، ص۵۳۹۔ ۶۷۔ الضاً، ص۵۵۱۔

۶۸۔ الضاً، ص۴۹۲۔ ۶۹۔ الضاً، ص۳۵۱، ۳۵۰۔ ۷۰۔ الضاً، ص۳۸۶۔ ۷۱۔ الضاً، ص۳۷۱۔

۷۲۔ الضاً، ص۳۷۲۔ ۷۳۔ الضاً، ص۳۸۸، ۳۸۷۔

۷۴۔ محمد غلام رسول القادری، الشاہ محمد: ''ملفوظات''، مرتب، فرید الدین قادری، کراچی، قادری پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء، ص۹۔

۷۵۔ الضاً، ص۵۹۔ ۷۶۔ الضاً، ص۴۹۔ ۷۷۔ الضاً، ص۲۴۔ ۷۸۔ الضاً، ص۴۲۔

۷۹۔ الضاً، ص۴۳۔ ۸۰۔ الضاً، ص۵۶، ۵۵۔ ۸۱۔ الضاً، ص۵۷۔ ۸۲۔ الضاً، ص۱۲۶، ۱۲۵۔

۸۳۔ اکرام حسین سیکری، شاہ: ''کشکول''، حیدرآباد، خواجہ خواجگان فاؤنڈیشن، اشاعت اوّل، ۱۹۸۹ء، ص۵۔

۸۴۔ الضاً، ص۵۔ ۸۵۔ الضاً، ص۱۸۔ ۸۶۔ الضاً، ص۱۷۔ ۸۷۔ الضاً، ص۲۰۔

۸۸۔ الضاً، ص۲۰۔ ۸۹۔ الضاً، ص۸۱۔ ۹۰۔ الضاً، ص۲۳۔ ۹۱۔ الضاً، ص۲۵۔

۹۲۔ الضاً، ص۱۰۴۔

۹۳۔ علم الدّین قادری: ''ارشاداتِ علمی''، کراچی، قادری پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص۸۔

۹۴۔ الضاً، ص۱۲، ۱۱۔ ۹۵۔ الضاً، ص۲۷۔ ۹۶۔ الضاً، ص۱۱۵۔ ۹۷۔ الضاً، ص۱۰۔

۹۸۔ الضاً، ص۱۳(حاشیہ) ۹۹۔ الضاً، ص۱۶۔ ۱۰۰۔ الضاً، ص۱۵۔ ۱۰۱۔ الضاً، ص۱۹۔

۱۰۲۔ الضاً، ص۲۴، ۲۳۔ ۱۰۳۔ الضاً، ص۸۷۔

۱۰۴۔ محمد اختر، شاہ حکیم: '' باتیں اُن کی یاد رہیں گی ''کراچی، کتب خانۂ مظہری، اشاعتِ اوّل، ۱۹۹۷ء، ص۴۹۔

۱۰۵۔ الضاً، ص۵۳۔ ۱۰۶۔ الضاً، ص۱۷۲۔ ۱۰۸۔ الضاً، ص۶۹۔ ۱۰۸۔ الضاً، ص۲۸۔

۱۰۹۔ الضاً، ص۲۷۔ ۱۱۰۔ الضاً، ص۱۱۶۔ ۱۱۱۔ الضاً، ص۴۰۔ ۱۱۲۔ الضاً، ص۴۰۔

۱۱۳۔ الضاً، ص۴۶ ۱۱۴۔ الضاً، ص۴۷۔ ۱۱۵۔ الضاً، ص۱۵۹، ۱۵۵۔ ۱۱۶۔ الضاً، ص۳۵۔

۱۱۷۔ الضاً، ص۱۰۴۔۱۰۵۔ ۱۱۸۔ الضاً، ص۲۹۔

۱۱۹۔ اکرام حسین چشتیؒ، شاہ: ''کلماتِ خیر''، میرپور خاص، خانقاہ عالیہ چشتیہ، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص۱۲۔

۱۲۰۔ الضاً، ص۵۔ ۱۲۱۔ الضاً، ص۹۔ ۱۲۲۔ الضاً، ص۹۔ ۱۲۳۔ الضاً، ص۸۔

۱۲۴۔ الضاً، ص۷۔ ۱۲۵۔ الضاً، ص۵۔ ۱۲۶۔ الضاً، ص۵۔ ۱۲۷۔ الضاً، ص۵۔

۱۲۸۔ الضاً، ص۶۔ ۱۲۹۔ الضاً، ص۳۔

۱۳۰۔ زوّار حسین شاہ، سیدؒ: ''اقوالِ زوّاریہ''، کراچی، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص۵۳۔

۱۳۱۔ الضاً، ص۷۷۔ ۱۳۲۔ الضاً، ص۴۹۔ ۱۳۳۔ الضاً، ص۸۸۔ ۱۳۴۔ الضاً، ص۹۶۔

۱۳۵۔ الضاً، ص۱۰۵۔ ۱۳۶۔ الضاً، ص۸۷۔ ۱۳۷۔ الضاً، ص۸۱تا۸۴۔ ۱۳۸۔ الضاً، ص۱۶۰۔

۱۳۹۔ الضاً، ص۵۱۔ ۱۴۰۔ الضاً، ص۵۲۔
۱۴۱۔ عزیزالرحمن، سید: ' سوغاتِ مجدّدی '' کراچی، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز ۲۰۰۱ء، ص۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۰، ۱۱۹۔
۱۴۲۔ الضاً، ص۱۸۔ ۱۴۳۔ الضاً، ص۱۳۸۔ ۱۴۴۔ الضاً، ص۱۲۵۔ ۱۴۵۔ الضاً، ص۱۰۳، ۱۰۲۔
۱۴۶۔ الضاً، ص۴۹۔ ۱۴۷۔ الضاً، ص۳۷۔ ۱۴۸۔ الضاً، ص۳۸۔
۱۴۹۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: ''جواہرِ مسعودیہ ''، کراچی، ادارہ مسعودیہ، اشاعت دوم، ۲۰۰۷ء، ص۴۔
۱۵۰۔ الضاً، ص۵، ۴۔ ۱۵۱۔ الضاً، ص۵۳۔ ۱۵۲۔ الضاً، ص۵۔ ۱۵۳۔ الضاً، ص۶۔
۱۵۴۔ الضاً، ص۵۸۔ ۱۵۵۔ الضاً، ص۵۸۔ ۱۵۶۔ الضاً، ص۵۲۔ ۱۵۷۔ الضاً، ص۵۹۔
۱۵۸۔ الضاً، ص۷۔ ۱۵۹۔ الضاً، ص۸۔ ۱۶۰۔ الضاً، ص۵۲، ۵۱۔ ۱۶۱۔
الضاً، ص۷۔
۱۶۲۔ الضاً، ص۶۔ ۱۶۳۔ الضاً، ص۹۔ ۱۶۴۔ الضاً، ص۱۱۔ ۱۶۵۔ الضاً، ص۶
۱۶۶۔ الضاً، ص۶۶
۱۶۷۔ مقصودالحسن عظیمی، ڈاکٹر: '' باتیں میرے مراد کی ''، پشاور، برخیا ایجوکیشن فاؤنڈیشن،، طبع اوّل، ۲۰۰۷، ص۲۹۹۔
۱۶۸۔ الضاً، ص۳۰۳۔ ۱۶۹۔ الضاً، ۱۷۰۔ الضاً، ص۱۹۳ ۱۷۱۔ الضاً، ص۲۵۶۔
۱۷۲۔ الضاً، ص۲۵۵۔ ۱۷۳۔ الضاً، ص۳۰۳، ۳۰۲۔ ۱۷۴۔ الضاً، ص۹، ۸۔ ۱۷۵۔ الضاً، ص۶۸۔

☆☆☆☆☆